www.kitabmart.in
بت شکن
مصطفیٰ زمانی (ایران)
Haroon-96

مُصطفیٰ زمانی

جامعہ تعلیمات اسلامی پوسٹ بکس: ۵۴۲۵
کراچی - پاکستان

www.kitabmart.in

پیشکش ــــــــــــــــــ رضا رضوانی
ترجمہ ــــــــــــــــــ فضل حق
کتابت ــــــــــــــــــ جعفر صادق
طبع سوم ــــــــــــــــــ ۱۴۱۶ھ - ۱۹۹۶ء
تعداد ــــــــــــــــــ تین ہزار

انتساب

جذبۂ ایثار سے سرشار

اُن مجاہد نوجوانوں کے نام

جو

مظلوموں کے حقوق کی حمایت میں

ظلم و استبداد کے خلاف

عَلمِ جہاد بلند کرتے ہیں

عرضِ ناشر

بحمداللہ وطنِ عزیز پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اور نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا ہے۔ اِس ملک کے حصول کے لیے برِّصغیر کے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں اور جن مصائب اور آلام سے اُنھیں گزرنا پڑا اُن کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے۔ یہ انھیں قربانیوں کا صلہ ہے کہ ہم ایک آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں اور اسلامی نظام کی ترویج کے لیے کوشاں ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری یہ کوششیں بار آور ہوں۔

زیرِ نظر کتاب ایک ایسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو تقریباً بیس سال قبل فارسی زبان میں ایران میں لکھی گئی تھی اور اُس ملک کے اُس دَور کے حالات کی عکاسی کرتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب برادر مُلک ایران میں ایک ایسا انقلاب آچکا ہے جس کے نتیجے میں وہاں کے حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ تاہم جب یہ کتاب لکھی گئی اس وقت حکومتِ وقت کی بے جا اور بے انتہا سخت گیری کی وجہ سے محبِّ وطن مصنّفین نے عوام میں دینی جذبہ بیدار کرنے اور ملّی تشخّص اُجاگر کرنے کے لیے انبیائے کرام کے قصّوں کا سہارا لیا۔

موجودہ کتاب کے پاکستان میں شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہاں کے بعض لوگوں کے دلوں میں انقلابِ ایران کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہوں وہ دُور ہو جائیں اور انھیں پتا چل جائے کہ ہمارا برادر مُلک ایران کن نامساعد حالات سے گزر کر انقلاب اور آزادی سے ہمکنار ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہم نے لاکھوں مسلمانوں کی قربانی دے کر پاکستان حاصل کیا تھا اُسی طرح ایران نے بھی اپنے ہزاروں نوجوانوں کی جانیں آزادی کی نعمت پر نچھاور کیں۔ آج ان جیالوں کے خون کی سُرخی ایران کے پرچم کے سُرخ رنگ میں سمو دی گئی ہے۔

یہ اور اِسی قبیل کی اور کتابیں انبیائے کرامؑ کی مکمّل تاریخ اور سوانح حیات نہیں کہلا سکتیں کیونکہ ان بزرگوار ہستیوں کے حالات اتنی شرح و بسط کے ساتھ دستیاب نہیں ہیں۔ بہرحال جو حالات ملتے ہیں انھیں پھیلا کر عوام کو اپنے ملک کی صورتِ حال سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ کئی جگہ تکرار بھی ہے لیکن بعض اوقات کسی قول یا واقعہ کی تکرار اس کے مقصد کی اہمیّت کو اُجاگر کرتی ہے اور زیرِ نظر کتاب میں بھی بعض واقعات دہرانے سے یہی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہے۔

وہ بے گناہ یتیم جو نمرُود بن گیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک کشتی ایک ہولناک لہر کے ٹکرانے سے تباہی کے بھنور میں پھنس گئی ۔

تیز ہواؤں نے اس کا سفر منقطع کر دیا اور اہلِ کشتی بربادی کا شکار ہو گئے ۔

لہر کو جدھر سے بھی راستہ ملا کشتی سے آٹکرائی اور اس کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ۔

کشتی میں انسانوں اور سامان سمیت جو کچھ بھی تھا پانی کی نذر ہو گیا اور صرف ایک بچّہ زندہ بچ رہا ۔

پھر ہم نے سمندر کو حکم دیا : اپنی طوفان خیزی ختم کر دے اور خوشی کی اس بنیاد کو ویران نہ کر ۔

بیکس لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ یہ چھوٹا سا بچّہ جو

ڈوب رہا ہے ڈوبنے کے لیے نہیں ہے۔

ہم نے ہوا کو حکم دیا کہ اس شیرخوار بچّے کو سمندر سے نکال کر ساحل پر ڈال دے۔

ہم نے پتھروں کو حکم دیا کہ وہ اس بچّے کے نیچے نرم ہو جائیں اور برف سے کہا کہ وہ گرم پانی بن جائے۔

ہم نے صُبح کو حکم دیا کہ اس کے سامنے مسکرائے اور روشنی سے کہا کہ اس کے دل کو زندہ کردے۔

ہم نے گُلِ لالہ کو اس کے قریب اُگنے کا حکم دیا اور شبنم سے کہا کہ اس کا منہ دھو دے۔

ہم نے کانٹے سے کہا کہ اس بچّے کو نہ چُبھے اور سانپ سے کہا کہ اُسے نہ ڈسے۔

ہم نے بھیڑیے سے کہا کہ اس کے ننھّے بدن کو مت پھاڑ اور چور سے کہا کہ اس کے گلے کا ہار مت اتار۔

جب انھیں اطمینان حاصل ہوا تو بے چین ہو گئے۔ ہم نے ان سے دوستی کی اور وہ ہمارے دشمن بن گئے۔

خود اپنے آپ کو راستے کے کنویں سے بچانے کے لیے انھوں نے لوگوں کے راستے میں کنویں کھود دے۔

انھوں نے بے سروپا قصّے سُنائے اور پہرہ دینے کے لیے چوروں کو مقرّر کیا۔

انھوں نے شیطانوں کو دربان اور داروغہ مقرّر کیا اور وہ بھی
کس کے حضور ہیں ؟ ربِّ جلیل کے حضور ہیں !

ہم نے اُس بیکس ڈوبنے والے کو بچا لیا اور جب وہ موت سے
بچ نکلا تو ہوا ہوس کا شکار ہوگیا۔

آخر وہ چمکیلی روشنی دھوئیں میں بدل گئی اور وہ بے گناہ
یتیم نمرود بن گیا۔

ہم نے اُس پر مہربانیاں کر کے اُسے بڑا کیا اور جب وہ بڑا
ہوگیا تو بھیڑیے سے بھی زیادہ خونخوار بن گیا۔

اب اُس نے یہ چاہا کہ خدائی کا دعویٰ کرے اور خدا کے
برج اور دمدمے توڑ دے۔

پھر ہم نے مچھّر کو حکم دیا کہ اُٹھ اور اس مغرور شخص کی
آنکھ میں مٹی ڈال دے۔

(پروین اعتصامی کے دیوان سے ماخوذ نظم کا ترجمہ)

دوسرے ایڈیشن کا مقدمہ

زخم لہو دیتا ہے

آمریت کیا ہے؟

آمر، استبداد، غنڈہ اور انھیں جیسے کئی اور الفاظ ایشیا اور افریقہ کے ممالک میں سالہا سال سے رائج ہیں۔ یہ اور ان سے ملتے جلتے الفاظ ان اقوام کی گفتگو میں بکثرت ملتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متجسّس حضرات ان کے بارے میں تحقیق کرنے پر مائل ہوئے ہیں۔

بلاشبہ اس قسم کے الفاظ کے معانی مختلف ہوتے ہیں اور ماحول اور محکوم افراد کی نسبت سے ان الفاظ کی خصوصیات میں فرق پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی باپ اپنے متوسّلین پر سختی کرتا ہے یا ایک کارخانے کا مینیجر، مزدوروں پر ظلم کرتا ہے یا ایک حاکم، قوم کے حقوق پامال کرتا ہے یا عہدے دار، براہِ راست ماتحتوں کی قسمت سے کھیلتے ہیں اور ان کے

مال، اولاد، آبرو اور مذہب پر ڈاکا ڈالتے ہیں یا استعماری طاقتیں کمزور ممالک کے معدنی ذخائر لوٹتی ہیں اور ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتی ہیں اور ان قوموں کے ساتھ وہی سلوک کرتی ہیں جو ایک سمجھ دار انسان حیوانوں اور وحشیوں کے ساتھ کرتا ہے تو یہ سب باتیں آمریّت، غنڈہ گردی اور استبداد ہیں۔

بلاشبہ آمریّت ایک فرد اور ایک ملک تک محدود نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی یہ صفات ظاہر ہوں اور جس کسی میں یہ خصوصیات پیدا ہو جائیں وہ ڈکٹیٹر اور آمر ہے۔ ان صفات کے مقابلے میں انسان کے کچھ فرائض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے افراد کے بارے میں کچھ احکام دیے ہیں۔ تاریخ نے ان لوگوں کی نشاندہی کی ہے اور نفسیات اور عمرانیات کے علماء نے آمریّت کے بارے میں بحثیں کی ہیں۔ علمائے اخلاق نے بھی مطلق العنان لوگوں کے مقابلے میں قوم کے فرائض پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ چونکہ آمریت کی خصوصیات خودسر حکّام اور استعماری طاقتوں میں زیادہ نمایاں ہوتی ہیں اس لیے ہم نے ان خصوصیات پر آمرانہ حکومتوں کی تاریخ اور استعماری طاقتوں کی سرگرمیوں کی روشنی میں غور کیا ہے اور اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دَور کے جابر اور ظالم افراد کے مقابلے میں جو روش اختیار کی اسے موردِ مطالعہ قرار دیا ہے۔

آمریّت کی چند خصوصیات یہ ہیں :

۱۔شرافت کا فقدان

جب معدنی اور معاشی وسائل اور قوّت آمروں کے ہاتھ میں آ جائیں تو مفلوک الحال قوم کے افراد اِس امر پر مجبور ہوتے ہیں کہ ننگے پاؤں اور خالی پیٹ زندگی بسر کریں اور ویتنام کے حریّت پسندوں کی مانند امریکی موٹروں کے پرانے ٹائروں کے جوتے پہنیں، فرانسیسی سپاہیوں کی عطر کی شیشیوں سے سامانِ جنگ تیّار کریں اور استعماری قوّتوں اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب قوتِ لایموُت حاصل کرنے کے لیے شرافتِ نفس کو خیرباد کہہ دیا جاتا ہے اور خوشامد اور چاپلوسی کا بازار گرم ہو جاتا ہے کیونکہ مانٹیسکیو کے قول کے مطابق ایک آمر شخص کی قوّت دوسروں کی قوّت سلب کرنے میں مضمر ہوتی ہے اور ظالم حاکم کسی قاعدے اور قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہوس تمام قواعد وضوابط سے بے نیاز ہوتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو نیست و نابود کر دیں۔ آمرانہ حکومتوں میں شرافت کا وجود برائے نام بھی نہیں ہوتا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب قانون پامال ہو جائے، ہستی معرضِ خطر میں پڑ جائے اور دوسروں کی ہوس کو قانون پر فوقیت حاصل ہو جائے تو شرافت اور کردار کا جنازہ نکل جاتا ہے اور معاشرہ وحشی پن

www.kitabmart.in

اور پسماندگی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور اس کی شرافت پاؤں تلے کچلی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ وحشی پن کی جانب واپسی آمروں کے افعال کا پرتو ہوتی ہے اور ایک ارتجاعی عمل کی بنیاد رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کو پسماندہ کہا جاتا ہے اور استعماری قوتیں اپنے آپ کو زائد حقوق کا اہل سمجھتی ہیں۔

۲۔ رجعت پسندی

ایک ایسے دور میں جبکہ دنیا کی آزاد مملکتیں جدید سہولتوں سے بہرہ منداور داخلی صنعتوں سے مالامال ہیں، انھوں نے دنیا کو اپنا محتاج بنا رکھا ہے۔ ان کے مقابلے میں کمزور اقوام کی حالت یہ ہے کہ وہ علم، صنعت، دولت، صحت اور اخلاق کے معاملے میں محتاجی اور بے مائگی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور بعض اوقات روٹی، کپڑے اور مکان کے مسائل بھی حل نہیں کرسکتیں۔

افریقہ میں غربت اور بیکاری کا یہ عالم ہے کہ وہاں کی فی کس سالانہ آمدنی تقریباً پچاس ڈالر ہے جبکہ کٹنگا (شوبے کی حکومت کا مرکز) میں الماس، پلاٹینم اور یورینیم سے قطع نظر جن سے اہلِ بلجیم سالہا سال سے استفادہ کر رہے ہیں ریڈیم کی کانیں موجود ہیں جس کے ایک گرام کی موجودہ قیمت اندازاً پانچ لاکھ روپے ہے۔

جی ہاں کانگو کے چودہ ملین باشندے ابھی تک یہ نہیں جانتے کہ

گندم، جو اور چاول کیونکر بوئیں حالانکہ وہاں ان اجناس کی سال بھر میں تین فصلیں بوئی جاسکتی ہیں۔ جب اُن سے اس بے علمی کے بارے میں سوال کیا گیا اور یہ پوچھا گیا کہ وہ فقط جنگلی پھلوں پر کیوں گزر بسر کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ انھیں استعماری طاقت کی جانب سے کھیتی باڑی اپنانے کی اجازت نہیں ہے۔

کانگو میں ڈاکٹر اور دوائیں نہ ہونے کے برابر ہیں اور ابتدائی اسکول اور اعلیٰ تعلیم بے حد محدود ہیں۔ وہاں جو کچھ موجود ہے وہ استعماری طاقت کے لیے مخصوص ہے اور دوسری جانب اس نے سب لوگوں کو خوفزدہ کر رکھا ہے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا اس سے پتا چلتا ہے کہ کمزور ممالک میں استعماری قوتوں اور ان کے ظالم کارندوں کے تسلّط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ممالک ترقی کرنے کی بجائے تنزّل اور جمود کا شکار ہو جاتے ہیں اور شدید غیظ و غضب اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں استعماری قوتوں کے کارندوں، پادریوں، ڈاکٹروں اور صلاح کاروں وغیرہ کی تکّا بوٹی کرکے ان کے گوشت کے کباب بھون کر کھاتے ہیں۔

افریقہ اور ویتنام وغیرہ میں جو حوادث رونما ہوئے اور استعماری قوتوں کے کارندوں نے وہاں کے باشندوں کا جس طرح قتلِ عام کیا ان سے مذکورہ بالا حقائق قطعی طور پر ثابت ہو جاتے ہیں تاہم بہتر ہوگا کہ امریکہ کے سابق صدر کینیڈی کی تقریر کے چند جملے یہاں نقل کیے جائیں۔ اس کا

کہنا ہے کہ :

"افریقہ ایک ایسا برّاعظم ہے جہاں دولت کے لامحدود قدرتی وسائل کے ساتھ ساتھ غربت اور جان لیوا بیماریوں کا دَور دورہ ہے ....

یورینیم ان علاقوں سے نکالی جاتی ہے جہاں کھیتی باڑی ابھی تک ابتدائی حالت میں ہے ...... جہاں یورپی اقوام نے افریقہ کے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھایا ہے اور فربہ ہو گئے ہیں وہاں افریقی قبائل ابھی تک محتاج اور مفلوک الحال ہیں ۔

کئی ہیکٹروں میں پھیلی ہوئی الماس کی کانوں، سرسبز مرغزاروں اور یورینیم کے عظیم ذخائر کے باوجود ایک افریقی کی فی کس سالانہ اوسط آمدنی پچاس ڈالر سے بھی کم ہے ۔ استوائی افریقہ کے خطّوں میں جو ہر دس بچّے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے سات ایک سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچتے ۔ بعض علاقوں میں اوسط عمر کل ۲۸ سال ہے عیسائی مبلّغوں کی کوششوں کے باوجود (جو زیادہ تر امریکی ہیں) ڈاکٹروں اور دواؤں کی کمی کے باعث بیشمار مقامی لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ملیریا، تراخم (Trachoma) متعدی امراض اور کوڑھ کا

سدِّباب نہیں ہوسکا حالانکہ ہوسکتا تھا"۔ [1]

جی ہاں! لامحدود معدنیات، ریڈیم، الماس اور یورینیم کے باوجود عالمی اور داخلی آمریّت کے تسلّط کے باعث وہاں کے باشندے اپنی ابتدائی ضروریات بھی پوری نہیں کر پاتے اور ترقّی کرنے کی بجائے روبہ تنزّل ہیں۔

۳۔ اسلحہ کی دوڑ

استعماری طاقتیں اور ان کے طُفیلی عہدے دار اپنی خودسری اور ظالمانہ فطرت کے باعث اسلحہ کی دوڑ میں مصروف ہوجاتے ہیں تاکہ کمزور ممالک یا خود اپنے ملک کو خون میں نہلا کر اور نئے سرے سے اثر و رسوخ حاصل کر کے اپنی ڈولتی ہوئی حیثیت کی حفاظت کرسکیں۔

اگر ہم بغور دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ دنیا کے زیادہ تر ممالک کے بجٹ کا نصف حصّہ سامانِ جنگ اور اس سے متعلّقہ تجربوں پر صرف ہوجاتا ہے اور تخریبی وسائل میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور بالآخر خودسری کی روح ہر سال دو دفعہ ظاہر ہوتی ہے اور کئی لوگوں کو نیست و نابود کردیتی ہے۔ [2]

نمونے کے طور پر ویتنام کی جنگ کے مندرجہ ذیل اعداد و شمار ملاحظہ کریں:

---

[1] (Strategy of Peace)

[2] انسان نے اپنی ۵۵۶۰ سالہ تاریخ میں ۱۴۵۳۱ دفعہ خونریز لڑائیاں لڑی ہیں دکیہان۔ شمارہ ۶۶۴۱۰)

ویتنام پر تسلّط حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے دس سال کی مدّت میں جنگ پر ۳۰۳ بلین ڈالر خرچ کیے۔

اور اگرچہ یہ جنگ جدید وسائل کی بنیاد پر لڑی گئی لیکن ایک مرحلے پر مندرجہ ذیل تعداد میں سپاہی مصروفِ جنگ تھے اور ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا:

سرکاری فوج	۵۰۰,۰۰۰	نفوس
ویت کانگ فوج	۱۵۰,۰۰۰	نفوس
امریکی فوج	۱۰۰,۰۰۰	نفوس

ان اعداد و شمار کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے زمانے میں ۷۵۰ ہزار انسانوں نے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر کمر باندھی اور کوشش کی کہ جس طرح بھی بن پڑے ایک دوسرے کو معدوم کر دیں اور ان لوگوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔

بلاشبہ اس قسم کی جنگ کا نتیجہ قتلِ عام ہی کہلا سکتا ہے لیکن اگر بفرضِ محال یہ کہا جائے کہ ان لڑائیوں میں کوئی قتل نہیں ہوا تب بھی یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے آمر اور ان کے ایجنٹ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لیے کسی جرم کے ارتکاب سے نہیں چوکتے اور کمزور اقوام کو انواع و اقسام کے شکنجوں میں کسنے کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اس کی تمام تر طاقت اور غنڈہ گردی کے باوجود آمریت اور خودسری کا زمانہ اب ختم ہونے کو ہے۔

۴۔ مملکتوں کی توڑ پھوڑ

چین کا کمیونسٹ چین اور نیشنلسٹ چین میں تقسیم ہونا اور ہند چینی کا کمپوچیا، لاؤس اور شمالی و جنوبی ویتنام میں بٹ جانا یہ سب حکام کی خودسری اور استعماری طاقتوں کے ظلم و ستم کا ثبوت ہیں۔

بلاشبہ یہ ہندوستان کی کانگریس پارٹی کے لیڈروں کا غرور اور ہٹ دھرمی تھی جس نے ہندوستان کے چالیس کروڑ آبادی کے ملک کی پاکستان اور بھارت میں تقسیم کی بنیاد فراہم کی اور اس کے بعد جو حوادث کا طوفان آیا اس نے ان دونوں نوزائیدہ مملکتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہ برسرِ اقتدار لوگوں کے عیش و عشرت اور استعماری طاقتوں کے اثر و نفوذ کا نتیجہ ہی تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کئی ایک مملکتوں میں تقسیم ہوگئی (عراق، مصر، شام، سعودی عرب، اردن، لبنان، فلسطین، یمن، سوڈان، تیونس، الجزائر وغیرہ) اور ان ممالک کے عین درمیان اسرائیل کا ٹائم بم رکھ دیا گیا تاکہ جب بھی استعماری طاقتیں اسلامی ممالک کو بھک سے اڑانا چاہیں اس خطرناک بم پر اپنا ہاتھ رکھ دیں۔

المختصر استعماری طاقتوں کے نفوذ کے بعد متعلقہ ملک کی تقسیم کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے اور جس قیمت پر بھی ممکن ہو کانگو میں بلجیم کے حصے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ کانگو کے مظلوم عوام کی کانوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے موسیو شومبے جیسے اشخاص اور مائیکل ہور جیسے خونخوار

گورے مزدوروں کی حمایت حاصل کرلیتا ہے خواہ اس فائدے کی خاطر مملکتوں کے ٹکڑے ہوجائیں اور ان کی ہستی اور آزادی ختم ہوجائے اور خواہ مائیکل ہزاروں افراد کو بلجیم کی خواہشات کی بھینٹ چڑھادے۔

اور جب استعماری طاقتوں نے مخدرہ مواد (افیون وغیرہ) کا استعمال چین میں عام کرکے وہاں اثرونفوذ حاصل کرلیا تو بتدریج اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا شروع کردیا۔ انھوں نے ایک ٹکڑا جاپان کو اور دوسرا روس کو دے دیا اور اپنا حصّہ الگ کرلیا۔

قصّہ کوتاہ یہ ہٹلر کی آمریّت ہی تھی جس نے جرمنی کی تمام صنعت اور طاقت کے باوجود اس کا وجود مٹادیا اور اسے مشرقی اور مغربی جرمنی میں تقسیم کردیا اور یہ استعماری طاقتوں کی آمریت ہی ہے جو اس تقسیم کو جاری رکھتے ہوئے ہے اور اپنے عمل سے تیسری عالمی جنگ کے بیج بورہی ہے۔

سوشلزم کی جانب جھکاؤ

یہ اہلِ مغرب کی خودسری اور اس کے کارندوں کے ظلم وستم کا نتیجہ ہی تھا کہ جب فیڈرل کاسترو نے شدید غربت اور بیکاری کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا تو اس کا جھکاؤ بائیں جانب ہوگیا اور جب کانگو کے مصیبت زدہ لوگوں نے آزاد ہونا چاہا تو انھوں نے مغرب کی استعماری طاقتوں سے منہ موڑلیا اور کمیونسٹ ممالک کی جانب متوجّہ ہوگئے اور

بتدریج روس کے طفیلی شمار ہونے لگے۔

لہٰذا اگر ہم غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ استعماری طاقتوں اور ان کی قائم کردہ حکومتوں کے مظالم کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے کمیونزم اور سوشلزم کو فروغ ملتا ہے کیونکہ جب کمزور اقوام غربت اور بیماری میں زندگی بسر کرتی ہیں اور بیکاری، قتل و غارت، قید اور اضطراب کا شکار ہو جاتی ہیں تو وہ مجبوراً قوّت اور اسلحہ کا سہارا ڈھونڈتی ہیں تاکہ وہ استعماری طاقتوں اور ان کے کارندوں کے شر سے نجات حاصل کریں اور اگر خود انھیں ضروری قوّت حاصل نہ ہو تو مجبوراً کمیونسٹ ممالک سے مدد حاصل کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ ان کے طفیلیوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔

اس بنا پر کہنا چاہیئے کہ امپیریلزم اور اس کا نو آبادیاتی نظام، اس کی جانب سے بددیانت حکومتوں کی حمایت اور آمروں کو حکومت کی کرسی پر بٹھانا ایسی چیزیں ہیں جو کمیونزم کے حصول کو جنم دیتی ہیں۔

بلاشبہ اگر ہوچی منہ جیسے اشخاص چین یا روس کی جانب جھکتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استعماری طاقتوں کی آمریّت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر جنوبی ویتنام کے عوام نے اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے امریکہ جیسے ملک کی طاقتور فوج سے جنگ لڑی ہے اور اسے ناکوں چنے چبوائے ہیں تو اس کی وجہ نگو ڈین ڈیم اور جنرل کنہ جیسے لوگوں کی خودسری اور جرائم ہیں۔

اور اگر کمیونسٹ چین وجود میں آیا ہے اور کمیونزم میں بابائے کمیونزم روس سے بھی چار قدم آگے بڑھ گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اسے منچو خاندان اور اس کے دربار کی خودسری اور آمریت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

چینیوں کے کمیونزم کی جانب جھکاؤ کی حقیقت چیانگ کائی شیک نے (جو اس وقت چین کا مقتدر اعلیٰ تھا) ان الفاظ میں امریکہ کے وزیر خارجہ کے گوش گزار کی:

"۱۹۴۵ء سے اب تک کے دور میں جب کہ امریکیوں نے اس سرزمین میں اپنے پاؤں پھیلائے ہیں اور ان معاملات میں دخل اندازی کی ہے جن سے وہ ناآشنا اور بے بہرہ تھے چین کے معاشرے میں اتنی زیادہ مشکلات پیدا ہوئی ہیں کہ ہماری قوم آزاد دنیا سے مایوس اور بیزار ہوگئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کمیونسٹوں کی کامیابی کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔"

کچھ مدت گزرنے کے بعد چیانگ کائی شیک کو ساٹھ لاکھ چینیوں کی سربراہی سے ہاتھ دھونے پڑے اور اس نے جزیرہ فارموسا میں منتقل ہو کر چین کی قومی حکومت کے قیام کا اعلان کیا تاکہ وہاں بیٹھ کر امریکی حکومت اور اس کے فوجی اڈوں کے زیر سایہ اپنی حفاظت کرسکے اور دوسری جانب ماؤزے تنگ نے کمیونسٹ چین کی بنیاد رکھی۔ ان واقعات سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ بائیں جانب جھکاؤ مغرب کے نوآبادیاتی نظام اور

مغربی استعماری طاقتوں کے آمروں کو کرسئ حکومت پر متمکن کرنے اور ان کی حمایت کرنے کا ردِّ عمل ہے۔

۶۔ تیسری دنیا

ہالینڈ اور جاپان کے مظالم نے انڈونیشیا کو تیسری دنیا وجود میں لانے کے لیے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ انگریزوں کے جرائم، امریکہ کے دباؤ اور خود غرض ظالم حکمرانوں کی حمایت کے نتیجے میں چین نے مشرق اور مغرب کے مقابلے میں غیر وابستہ دنیا کی بنیاد رکھی۔

اگر بھارت کا جھکاؤ دائیں یا بائیں جانب نہیں ہے اور اگر ہوچی منہ نے (شمالی ویتنام میں) اس امر کی کوشش کی کہ استعماری طاقتوں کے اثر و رسوخ کے آثار مٹا دے اور ایک دفعہ پھر ہند چینی کے ملک کو وجود میں لے آئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے اس سرزمین پر استعماری طاقتوں اور خود اپنے حکمرانوں کے جرائم کا تجربہ ہو چکا تھا۔

اگر دنیائے عرب اس کوشش میں ہے کہ تیسری دنیا سے مربوط ہو جائے یا آزاد اسلامی ممالک پر مشتمل ایک چوتھی دنیا وجود میں لے آئے تو اس کی وجہ وہ مظالم ہیں جو انھیں اپنے خود سر حکمرانوں کے ہاتھوں اور استعماری طاقتوں کے نفوذ کی بدولت برداشت کرنے پڑے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ اپنے معدنی ذخائر اور عظمت سے محروم ہو گئے ہیں۔

اگر سوویت روس نے ترویکا (Troika) یعنی کمیونسٹ۔ مغربی اور

غیر وابستہ ممالک کی سہ گانہ حکومت کے اصول کی پیشکش کی تو وہ بھی تیسری دنیا اور ایک نئے بلاک کے وجود میں آنے کے اعتراف کے طور پر ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مختلف اقوام کمیونزم اور امپیریلزم سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی آزادی کی جانب بڑھ رہی ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ ان دونوں بلاکوں کا راستہ روکیں اور خود آزادانہ زندگی بسر کریں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف امریکہ کے سابق صدر آنجہانی کینیڈی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"(ایشیا میں) اس خواہش کے ساتھ آزادی کی لگن کہ سوویت روس کا طفیلی نہ بنا جائے اس بات کے مترادف ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے زیادہ قریب جانا بھی درست نہیں اور ہمارے لیے مناسب ہے کہ اس چیز کو تسلیم کر لیں۔" [۱]

کیا ایشیا اور افریقہ مشرق اور مغرب کی بلا معاوضہ امداد اور ذہنی اتحادِ عمل (مشیروں کی ترسیل) اور ان کے قرضوں سے تنگ آ گئے ہیں اور یا یہ کہ ان کی معدنی وسائل، آزادی، حفاظت، مذہب، حکومت اور ہستی میں بیجا مداخلت سے جاں بلب ہو گئے ہیں اور یا یہ کہ ان کے مارکیٹ معاشیات اور سرمائے پر قبضہ کر لینے سے ان کی جان عذاب میں آ گئی ہے اور وہ تیسری دنیا کو وجود میں لانے کی فکر میں ہیں؟

ان سوالوں کے جواب ہم ہر روز ایشیا، افریقہ اور دوسرے کمزور

---

[۱] (Strategy of Peace) (صفحہ ۳۷۰)

ممالک میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ استعماری طاقتیں مندرجہ بالا چیزوں میں سے کسی میں بھی مداخلت کرنے سے باز نہیں آتیں اور تیسری دنیا کے وجود میں آنے کے لیے عملی کوشش کر رہی ہیں۔

۷۔ اضطراب

جب استعماری طاقتیں کہیں نفوذ کرنا چاہتی ہیں یا حکام یہ چاہتے ہیں کہ اپنی خود سری کو دوام بخشیں تو وہ قوم کے اضطراب میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو مطبوعات کو کنٹرول میں لے لیا جاتا ہے اور دوسری طرف زبان اور قلم کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے اور قوم عجیب و غریب اضطراب سے دوچار ہو جاتی ہے حتیٰ کہ لوگوں کو سکھ کی نیند سونا بھی نصیب نہیں ہوتا۔

اضطراب کا معاملہ یہاں تک آپہنچا ہے کہ لوگوں کی نجی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے اور "لوگوں کی نجی زندگی کے احترام" کے موضوع پر امریکی سینیٹ میں بحث کی گئی ہے۔

بلی نامی ایک امریکی سینیٹر نے متعلقہ کمیشن کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:

"کوئی امریکی کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ جب وہ ایک دور افتادہ مقام پر اپنی بیوی سے گفتگو کرتا ہے تو آہستہ بولتا ہے تاکہ اس کا راز فاش نہ ہو جائے"۔

اس نے حیرت زدہ سینیٹروں کو بتایا کہ :

"صنعتی ترقی کے نتیجے میں بے حد چھوٹے چھوٹے مائیکروفون ایجاد ہو گئے ہیں جنھیں سگریٹ کے پیکیٹ، قند کی ڈلی، گلوبند کی پن، لائیٹر، پھول غرضیکہ کسی بھی جگہ چھپایا جاسکتا ہے۔"

اس نے مزید کہا :

"حد تو یہ ہے کہ اگر آپ اپنے کمرے میں برہنہ ہوں تو مخصوص دوربینوں کے ذریعے دیوار کے پیچھے سے آپ کی تصویر اتاری جاسکتی ہے ......" [1]

جب انسان کی پرائیوٹ حرکات وسکنات کو بھی کنٹرول کیا جائے اور اسے یہ بھی علم نہ ہو کہ اس کے سونے اور کھانے پینے کی فوٹوگرافی کیونکر کی گئی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ جو کام علانیہ کیے جاتے ہوں مثلاً گفتگو اور اخبارات کنٹرول نہ کیے جائیں اور اقوامِ عالم سیاسی اور سماجی مسائل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار آزادی سے کرسکیں ؟

بلاشبہ اضطراب آمریّت کی خصوصیات میں سے ہے اور جس دور میں آمر موجود ہوں اضطراب بھی موجود ہوتا ہے۔

۸ ۔ حکومتوں کا تقرّر

جمہوریتوں کے صدور اور سلاطینِ عالم کی آمریت وزیر اعظم کے

---

[1] اطلاعات ہفتگی (ایران) شمارہ ۱۲۱۹

تقرر کا سبب بنتی ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کاروبارِ حکومت وزیرِ اعظم کے بغیر ہی چلایا جاتا ہے اور استعماری حکومتوں کی آمریت قابلِ نفرت حکومتوں کو مقرر کرتی ہے اور ان کی حمایت کرتی ہے۔

کانگو میں شومبے جیسے شخص کی حمایت کی جاتی ہے جس سے اس کی قوم نفرت کرتی ہے اور جنوبی ویتنام میں "ڈیم" جیسے لوگوں کی طرفداری کی جاتی ہے جن کی وطن فروشی مسلّم ہو اور جن کی حیثیت محض ایک مہرے کی سی ہو۔

دن یا رات میں کسی مقررہ وقت پر ناگہانی انقلاب (Coup d'etat) آجاتا ہے اور کچھ لوگ اپنی جان کھو بیٹھتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو طاقت اور غنڈہ گردی کی بدولت برسرِ اقتدار آجاتے ہیں اور قوم کی مرضی کے خلاف کاروبارِ حکومت سنبھال لیتے ہیں۔ تاہم استعماری حکومتیں چونکہ دیکھتی ہیں کہ نئی حکومت کا وجود ان کے لیے مفید ہے اس لیے اسے رسمی طور پر تسلیم کر لیتی ہیں اور اگر انقلاب کا نقشہ انھوں نے خود ترتیب نہ دیا ہو تب بھی انقلابیوں کی حمایت کرتی ہیں تاکہ انھیں نئے فوائد اور رعائتیں حاصل ہوں۔

جی ہاں! عوام کے خیالات اور جذبات کی رتی بھر پروا کیے بغیر وہ نئی حکومت کو رسمی طور پر تسلیم لیتی ہیں اور بعض اوقات تسلیم کرنے کے عمل کو کالعدم بھی قرار دے دیتی ہیں اور پھر دوبارہ تسلیم کر لیتی ہیں۔

ان طور طریقوں سے ثابت ہوجاتا ہے کہ کمزور ممالک کی حکومتیں دنیا کی آمر حکومتوں کے ہاتھ میں محض ایک اوزار کی حیثیت رکھتی ہیں اور

یہ دونوں قسم کی حکومتیں اپنی فرمانروائی کی فکر میں رہتی ہیں اور قوم کے خیالات کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔

یہی وجہ تھی کہ غیر مقبول ہونے کے باوجود کنھ نے ویتنام میں اقتدار حاصل کرلیا لیکن جب وہ استعماری طاقتوں کے فائدے کے لیے کام نہ کرسکا تو معزول ہوکر امریکہ روانہ ہوگیا تاکہ جب بھی استعماری طاقتوں کو اپنی سرداری جاری رکھنے میں دقت پیش آئے اُسے یا اسی جیسے کسی دوسرے کو پھر میدان میں لے آئیں اور جب تک ہوسکے اس پر بوجھ لادتے رہیں۔

جی ہاں! سامراج کا پروگرام یہی ہے کہ اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کریں اور ہمیشہ اس قسم کے چند افراد کو ذخیرے اور پرستار کے طور پر محفوظ رکھیں تاکہ کچھ دن ان میں سے کسی ایک کے وجود سے فائدہ اٹھائیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ استعماری قوّتوں کی جانب سے عہدوں پر تقرّر اور جمہوریتوں کے صدور اور سلاطین کی حکومت آمریّت کی ایک خاصیّت ہے۔

۹۔ قیدیوں کی تعداد میں اضافہ

جب آمر قوم کو اپنی خواہش کے مطابق نہیں پاتے تو اگر وہ امیر ہوں تو اپنی دولت خرچ کرتے ہیں اور رجوع حاجتمند، اہلِ ثروت کی اطاعت کرنے پر آمادہ نہ ہوں انھیں جیل میں ڈال دیتے ہیں اور اگر وہ سرکاری عہدوں پر فائز ہوں تو اپنی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق ہر قسم کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اگر خود آزاد نہ ہوں تو مجبور ہوتے ہیں

کہ اپنے آقاؤں کی مرضی کے مطابق فرائض انجام دیں۔

استعماری طاقتیں اپنے کارندوں اور سفیروں کی معرفت کمزور قوموں کی قید اور جلاوطنی کا حکم دیتی ہیں اور قوم کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔

مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

استعمار پسندوں نے ویتنام کی جنگ میں ۷ سال کی مدت میں ۷۵ ہزار افراد کو قتل کرنے کے علاوہ چودہ ہزار اشخاص کو قیدی بنا لیا۔

مسولینی نے اٹلی میں اور فرانکو نے اسپین میں ہزاروں اشخاص کو جیل میں ڈالا اور اپنے ملک سے جلاوطن کر دیا۔

آمروں کی اس ناپسندیدہ عادت کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جرمن فیلڈ مارشل گوئرنگ نے اٹلی کے امورِ خارجہ کے وزیر سے کہا:

"اس سال روس میں بیس سے لیکر تیس ملین افراد تک بھوک سے مر جائیں گے۔ روسی قیدیوں کے کیمپوں میں قیدی ایک دوسرے کا گوشت کھانے لگے ہیں۔ اگر یہ صورت ہے تو بہت اچھا ہے کیونکہ بعض قوموں کو نیست و نابود ہو جانا چاہیئے"۔ [1]

ظاہر ہے کہ یہ ناپسندیدہ طور طریقے ہٹلر اور مسولینی وغیرہ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ آپ آمر حکومتوں کے تفصیلی بجٹ کا مطالعہ کریں تو قیدیوں کے بجٹ سے ان کی تعداد معلوم ہو جائے گی۔

اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات قیدیوں کی تعداد

---

[1] ظہور و سقوط ایڈولف ہٹلر۔ صفحہ ۱۱۶

میں اضافہ جرائم کی وجہ سے بھی ہوتا ہے لیکن جرائم بھی حکّام کے اعمال کا پرتو ہی ہوتے ہیں کیونکہ وہ انسانیّت اور اخلاق کے بارے میں معاشرے کی رہنمائی نہیں کر پاتے۔

۱۰۔ آمروں کی ہوس

اگر امریکہ ویتنام میں جنگ کرتا ہے اور ویتنامی قوم کو گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ اور بمباری کا نشانہ بناتا ہے اور اگر فرانس اپنی نوآبادیات چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور فقط الجزائر میں آٹھ سال تک جنگ لڑتا ہے اور اگر بلجیم کسی قیمت پر کانگو سے دستبردار ہونے پر تیّار نہیں ہوتا اور اگر انگلستان کی حریصانہ نگاہیں عدن پر جمی رہتی ہیں اور اگر روس اہلِ ہنگری کے انقلاب کی حمایت نہیں کرتا اور ان کی شورش کو دبا دیتا ہے تو یہ سب چیزیں ان ممالک کی جنگی اہمیّت اور ان کے معدنی وسائل سے فائدہ اٹھانے کی خاطر کی جاتی ہیں اور یہ قومیں ایک عرصے سے جو لامحدود آمدنی ان علاقوں سے حاصل کرتی رہی ہیں اس سے دستبردار ہونا نہیں چاہتیں۔

جی ہاں! یہ جنگی اہمیّت اور فوجی، صنعتی اور مالی فوائد ہی ہیں جنھوں نے استعمار پسندوں کی طامع آنکھوں کو پُر کر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ حقائق کو نہیں دیکھ پاتے، قوم کے خیالات کی جانب کوئی توجّہ نہیں دیتے، استعمار پسندوں کی ہوس کی پیروی میں ان کی قائم کردہ حکومتیں بھی منافع اور لذیذ کھانوں سے دستبردار ہونے پر تیّار نہیں ہوتیں

اور عیش و عشرت کی بساط بچھ جانے کے بعد فوجی امداد اور یک جہتی کے معاہدے کیے جاتے ہیں اور پھر کمزور ممالک کی سرزمین کو جنگی مقاصد اور خوفناک فوجی اڈوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بالآخر آمروں کی طمع کے نتیجے میں جو نقصان پہنچتا ہے اس کی تلافی قوم کو کرنی پڑتی ہے۔

۱۱۔ مذہب کے خلاف جنگ

باوجودیکہ مذہب تمدن کا ایک رکن ہے اور ابتدائی ترین معاشروں سے لیکر سب سے زیادہ ترقی یافتہ اقوام تک سبھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مذہب اور اس کے مسائل سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں لیکن دینی مسائل دولتمندوں کے ہاتھوں میں ایک اوزار ہیں اور آمر بھی اپنی خواہشات کے مطابق مذہب کے موضوعات میں تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں۔ استعمار پسند بھی اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق مذہب سے اس وقت تک متفق رہتے ہیں جب تک اس کا خارجی اثر ان کے مفاد کے خلاف ظاہر نہ ہو جائے لیکن جونہی وہ اپنا مفاد معرض خطر میں دیکھتے ہیں مذہب اور اس سے وابستہ مراکز اور علمائے دین کی جہاں تک ممکن ہو سکے مخالفت کرتے ہیں اور انھیں قید میں ڈالنے، جلاوطن کرنے اور قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور ان پر ناواجب تہمتیں لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

جب سیّد جمال الدین اسد آبادی نے مصر میں استعمار پسندوں کے مفادات کے لیے خطرہ پیدا کر دیا تو مصر میں متعیّنہ برطانوی قونصل فرینک لاسل نے برطانیہ کی وزارتِ خارجہ کو ان کے بارے میں یوں لکھّا:

" جناب عالی! جیسا کہ خدیو توفیق پاشا نے مجھے اطّلاع دی ہے کچھ عرصے سے ایک افغانی جمال الدین کی سرگرمیاں اس کے علم میں آئی ہیں وہ شخص لوگوں کو انقلاب اور بغاوت پر اکساتا ہے اور پوچ عقائد کا پرچار کرتا ہے۔ چونکہ قاہرہ کی پولیس کی مکرّر تنبیہ کے باوجود جمال الدین خفیہ جلسے کرتا ہے اور وعظ اور خطبوں کے سلسلے میں اپنی مخرّب اور گمراہ کن تعلیمات جاری رکھے ہوئے ہے اس لیے خدیو توفیق پاشا نے مجبور ہو کر اُسے چوبیس گھنٹوں میں مصر چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔

سیّد نے پچھلے سال یورپیوں اور بالخصوص انگریزوں کے کے خلاف جن کے لیے اس کے دل میں بے حد بغض اور کینہ ہے لوگوں کے جذبات بھڑکانے میں کافی سرگرمی دکھائی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا اسے فری میسنوں کی لاج سے جس کا وہ ممبر تھا خارج کر دیا گیا کیونکہ اس نے علانیہ طور پر خدا کی ہستی سے انکار کر دیا۔" [1]

---

[1] "سیّد جمال الدین اسد آبادی" صفحات ۲۷۳ - ۲۷۴

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سید صاحب نچلے نہیں بیٹھے۔ انھوں نے آزادی اور سربلندی کا بیج مصر میں بو دیا جس کا پھل چند سال بعد حاصل ہو گیا۔

بلاشبہ استعمار پسند لوگ مذہب کے خلاف مختلف طریقوں سے جنگ لڑتے ہیں۔ کبھی ناروا تہمتیں لگاتے ہیں اور کبھی جعلی مذاہب اور اقلیتوں کی حمایت کرتے ہیں۔ بعض اوقات لوگوں کو صوفی بننے کی ترغیب دے کر اور اجتماعی اور سیاسی معاملات میں مایوسی اور لاپروائی کی روح پھونک کر اپنا مقصد نکالتے ہیں اور جب اس قسم کی غیر مستقیم جنگ سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا تو ایران میں مرحوم آیت اللہ شیخ فضل اللہ نوری جیسے لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیتے ہیں تاکہ براہِ راست جنگ سے اپنی مقصد برآری کر سکیں۔

ہٹلر نے جو اپنے آپ کو خدا کا نمائندہ سمجھتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ آسٹریا میں اس کی کارروائیوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے[1] تقریر اور تحریر کی آزادی ختم کر دی۔ لوگوں کے ابتدائی ترین سماجی حقوق سلب کر لیے۔ کلیساؤں اور یہودیوں کے درپے ہو گیا۔ بہت سے جرمنوں کو قتل کر دیا اور ایک اور کثیر گروہ کو بیگار کے طور پر فوجی کیمپوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیا اور ایسی جگہ بھیجا جہاں ان پر تشدد کیا

---

[1] ظہور و سقوط ایڈولف ہٹلر (صفحہ ۸۳)

جاتا تھا اور بہت سوں کو بالآخر قتل کر دیا جاتا تھا۔ [۱]

المختصر استعمار پسند اور آمر لوگ مذہب کی مخالفت و مزاحمت اور مذہب اور مذہبی مراکز سے وابستہ افراد پر تشدّد کرنے سے اجتناب نہیں برتتے اور اگرچہ بعض اوقات وقت کے تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے وہ بظاہر دیندار بھی بن جاتے ہیں لیکن ان کی ایک فطری خصوصیت جس کے آثار ان کی زندگی کے ہر پہلو سے ظاہر ہوتے ہیں خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں کی نافرمانی ہے۔

۱۲۔ قتل عام

آمروں کی ہوا و ہوس کے مخالفین کو نابود کرنا آمریّت کی ایک خصوصیّت ہے۔ مثلاً

مَردوں، عورتوں اور بچّوں پر مشتمل ساڑھے سات ملین غیر ملکی افراد کو جو غیر فوجی تھے غلاموں کے طور پر جرمنی میں بیگار پر لگا دیا گیا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جنھیں کوڑے لگائے گئے اور نیم گرسنہ رکھا گیا اور ایسے باڑوں میں جگہ دی گئی جو بیل گائے تک کے لیے مناسب نہ تھے۔ کئی ملین دوسرے لوگوں کو اجتماعی کیمپوں میں اکٹھا رکھا گیا اور ایسی جگہیں دی گئیں جہاں ان میں سے بیشتر مر گئے یا مار ڈالے گئے۔ [۲]

---

[۱] ظہور و سقوط اڈولف ہٹلر (صفحہ ۶۶)، ویٹیکن اور پوپ کے بارے میں ہٹلر کی سرگرمیوں اور احکام کیلئے اس کتاب کا صفحہ ۱۴۳ دیکھیے۔ [۲] صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸

ہٹلر نے تقریباً پانچ ملین افراد کو گیس چیمبرز میں دم گھونٹ کر مار دیا اور ان کی لاشیں خاص بھٹیوں میں ڈال کر جلادی گئیں اور ۷۰۰ ہزار دوسرے افراد کو مشین گنوں سے اُڑا دیا گیا۔ [1]

یہ ہے نتیجہ حاکموں کی آمریت اور خود سری کا۔ جہاں تک استعمار پسندوں کے ہاتھوں قتلِ عام کا تعلّق ہے اس کی خبریں ہم ہر روز اخبارات میں پڑھتے ہیں۔

جب ہندوستان میں آزادی کا مطالبہ کیا گیا تو لوگوں کا ایک اجتماع جلیانوالہ باغ امرتسر میں بھی ہوا جو چاروں طرف سے مکانات سے گھرا ہوا ہے تو گرائے کے سپاہیوں نے کوئی وارننگ دیے بغیر ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس کے نتیجے میں چار سو افراد قتل ہو گئے اور بارہ سو زخمی ہوئے۔

اور جب الجزائر نے اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑی تو آٹھ سال کی مدّت میں تقریباً ایک ملین الجزائری مارے گئے۔ فرانس کے ایک حملے میں پہاڑوں کے تین غاروں میں مقیم ۶۰۰ عورتیں اور بچّے اور کئی ایک حیوان استعمار پسندوں کے آتشیں اسلحہ کی نذر ہو گئے اور بجز نالہ و فریاد کے ان کا کوئی نام و نشان دیکھنے یا سننے میں نہ آیا۔

جی ہاں! استعمار کے ہاتھوں قتلِ عام کے یہ نمونے ہیں اور اس کی طرف سے کمزور ممالک کی حمایت اور آزادی کے دفاع کے یہ معنی ہیں!

---

[1] ظہور و سقوط ہٹلر۔ صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸

۱۳- قوانین کی معطّلی

جن لوگوں کو اپنی حیثیّت اور دولت کا گھمنڈ ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں اور دولت خرچ کرکے توثیق شدہ قوانین کی خرید و فروخت کرتے رہتے ہیں۔ دھونس جمانے والے لوگ بھی اپنی حیثیّت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے آپ کو ہرگز قانون کا پابند نہیں سمجھتے۔

جب ہم آمریت کو سمجھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ دھونسیے اور وہ لوگ جو دنیا کی سرداری کے دعویدار ہیں یہ کوشش کرتے ہیں کہ کمزور ممالک کے قوانین کو پامال کرکے اور وہاں کی عدالتوں کی آزادی سلب کرکے اپنی برتری ثابت کریں اور یہ واضح کر دیں کہ ان کی آمریت کس حد تک مضبوط اور محکم ہے۔

جب فرانس اور انگلستان نے مصر میں نفوذ حاصل کیا اور نہر سویز پر قبضہ جمایا تو جو قرضے انھوں نے دے رکھے تھے ان کی وصولیابی کے لیے مصر میں نئے ٹیکس وضع کیے اور اپنی آمریّت ثابت کرنے کے لیے (Capitulation) یعنی مشروط اطاعت کے معاہدے کی توثیق کرالی۔[۱]

---

[۱] غیر ممالک کے قونصلوں کا ثالثی کا حق اور کسی ملک میں غیر ممالک کو خاص حقوق اور اختیارات دینے کا معاہدہ (ایسے مقدمے میں جس کا ایک فریق غیر ملکی ہو اس غیر ملک کی نگرانی) جہان در قرن بیستم صفحہ ۷۶ مؤلفہ لویس۔ ل۔ اسنایدر۔ ترجمہ مرحوم ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی)

بعد ازاں ایک قدم اور آگے بڑھ کر وہ اپنے لیے "سرحد پار کے حقوق" (Exterritoriality) کے دعویدار بن بیٹھے۔[۱] انھوں نے ان حقوق سے خوب فائدہ اٹھایا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ظلم و ستم ڈھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا حتیٰ کہ مصری قوم خوابِ غفلت سے بیدار ہو گئی اور استعمار پسندوں کو نکال باہر کیا۔

صرف مصر کو ہی مشروط اطاعت قبول نہیں کرنی پڑی بلکہ اس کا بوجھ چین کے کندھوں پر بھی ڈالا گیا اور کچھ عرصہ پیشتر ایران اور کئی ایک دوسرے ممالک کو بھی مجبور کیا گیا کہ اسے قبول کر لیں۔

المختصر استعمار پسند کمزور ممالک کے داخلی قوانین کو پامال کرتے ہیں اور چونکہ وہ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں اس لیے جس قانون کو بھی چاہیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا اس کے مطابق قوانین کو معطّل کرنا اور ملکی عدالتوں کی پروانہ کرنا آمریت کی ایک خاصیت ہے۔ آمر اشخاص عملاً یہ ثابت کرتے ہیں کہ تو ہیں وحشیوں کی مانند ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ وحشی پن کا حق چاہتے ہیں۔

---

[۱] "سرحد پار کے حقوق" کے تحت غیر ملکی سفارت خانوں کے ملازمین کو یہ رعایت حاصل ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ممالک میں ہوتے ہوئے بھی اپنے ملک کے قوانین کی پیروی کریں اور جس ملک میں تعینات ہوں اس کے قوانین کی اطاعت کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

۱۴۔ اربابِ حکومت کا اضطراب

آمریّت کی ایک خصوصیّت برسرِ اقتدار لوگوں کی پریشانی اور ذہنی اضطراب ہے کیونکہ مشہور قول کے مطابق خائن ڈرپوک ہوتا ہے۔

جو لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں یا حکومت کرتے ہوں یا دنیا کی سرداری کے دعویدار ہوں وہ قوم کے حقوق میں تجاوز کرنے اور ماتحتوں کے مقدّر، دولت اور وسائل میں خیانت کرنے کی وجہ سے شدید پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ ہر لحظہ اپنے آپ کو مظلوم قوم کے چنگل کے رُوبرُو دیکھتے ہیں۔ ان کا گوشت اور پوست بیکسوں کی آنکھوں کے آنسوؤں سے دُھلتا ہے، ان کے دل کی جلن سے بھُونا جاتا ہے اور دن رات خوراک کی بجائے وہی استعمال میں آتا ہے۔

بلاشُبہ اس قسم کے آمر ہر اس انجمن اور اجتماع سے اور اُن واقف کار افراد سے خوف کھاتے ہیں جو اُن کی غدّاری کا علم رکھتے ہیں اور کمال سنگدلی سے ان تمام انجمنوں اور اجتماعات اور واقف کار افراد کو شدید ترین پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

جب سید جمال الدین اسد آبادی نے حکومتِ ہند کی زیرِ نگرانی ایک مکان میں قیام فرمایا تو ہندو اور مسلمان سبھی انھیں ملنے گئے۔ سیّد جمال نے استعمار پسندوں کے مظالم ایک ایک کر کے بیان کیے۔ حکومتِ ہند نے

جو استعمار (حکومتِ برطانیہ) کی ایجنٹ تھی انھیں ہندوستان چھوڑ دینے پر مجبور کیا۔ ہندوستان سے روانگی کے آخری لمحات میں انھوں نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہا:

"میں اتنی قوّت نہیں رکھتا کہ ایک انقلاب برپا کر دوں یا حکومت پر تنقید کروں۔ تعجّب ہے کہ حکومت مجھ جیسے شخص سے جو ایک سیّاح ہے خوف کھاتی ہے اور جو لوگ مجھ سے ملنے آتے ہیں ان سے بھی ڈرتی ہے حالانکہ وہ مجھ سے بھی زیادہ ناتواں ہیں۔ یہ چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ حکومت کی ہمّت پست اور کمزور ہو گئی ہے اور اس کی شان و شوکت کا خاتمہ ہو گیا ہے..."

سیّد جمال نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"جن لوگوں نے ہتھیار سنبھال رکھّے ہیں اور تمھاری آزادی اور دولت پر ڈاکا ڈال رہے ہیں ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے اگر تم سینکڑوں ملین ہندوستانی سب مچّھر بن جاؤ اور مل کر حکومت کے کانوں میں بھنبھناؤ تو اس بھنبھناہٹ کی آواز ان کے بزرگ (وزیرِ اعظم انگلستان) کے کانوں تک پہنچ جائے گی......"

ابھی سیّد جمال کی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس پر انھوں نے کہا:

"رونا دھونا عورتوں کا کام ہے اور سلطان محمود
ہندوستان نہیں آیا تھا بلکہ ہتھیاروں کے ساتھ وارد ہوا
تھا جو قوم آزادی کی خاطر دشمن پر حملہ آور ہو اور موت کا
استقبال کرے وہ زندۂ جاوید ہو جاتی ہے"۔ [1]

حالانکہ سید جمال اپنی تقریروں میں قوم کو عظمت، سعادت اور آزادی کے حصول کی رغبت دلاتے تھے لیکن ہندوستان کے حکّام مضطرب ہو گئے اور انھیں وہاں سے نکال دیا۔ ان حکّام کا خیال تھا کہ انھیں ملک بدر کر کے وہ آزادیٔ ہند کے انقلاب کا راستہ روک سکتے ہیں لیکن سید جمال نے فقط ایک ماہ کی مدّت میں ہندوستان میں آزادی کا بیج بو دیا اور جس لہر کو انھوں نے پیدا کیا اس نے چند سال بعد استعمار پسندوں کے محل کو دھڑام سے زمین بوس کر دیا اور یہی چیز ہے جو استعماری طاقتوں کے ایجنٹ آمروں کے اضطراب کا باعث ہوتی ہے۔

بلاشبہ آزادی کے نعرے، استعمار پسندوں کو جو آمریّت کے بلند پایہ افراد ہوتے ہیں اور خود سر حکام کو جو استعماری طاقتوں کے ذریعے برسرِ اقتدار آتے ہیں یا ان کے زیرِ حمایت ہوتے ہیں لرزا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کمال سنگدلی سے ان نعروں کو خاموش کر دیتے ہیں اور ابتدا میں ہی ان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ تاہم بالآخر وہ ان کے ردِّ عمل سے نہیں بچ سکتے۔

---

[1] سید جمال الدین اسد آبادی صفحات ۱۷-۱۸

آمریّت کا ردِّ عمل

اسیروں کی تعداد میں اضافہ، قتلِ عام، جلا وطنی، اضطراب اور خوف کی پیدائش اور وہ تمام دوسری چیزیں جو استبداد کی خصوصیتیں ہیں معاشرے میں دوسرے خراب اثرات پیدا کر دیتی ہیں جو ارکانِ ممالک کے تزلزل اور اضطراب کا باعث بن جاتے ہیں۔

ا۔ نفاق

جب اضطراب پیدا کر دیا جائے اور قتل و غارت میں اضافہ ہو جائے تو اگرچہ کچھ بزدل لوگ یاس اور نا امیدی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور حکومت کی مشینری کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں لیکن یہی چیزیں معاشرے میں نفاق کا سبب بنتی ہیں کیونکہ جو اشخاص شجاع اور نڈر ہوں وہ ایسے المناک حوادث کے مقابلے میں خاموش نہیں بیٹھ سکتے اور ہمیشہ بزدل افراد سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی مزاحمت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ب۔ خوشامد

جب نفاق پیدا ہو جائے تو طامع اور بزدل افراد خوشامد اور چاپلوسی کرنے لگتے ہیں اور اپنی جان کی حفاظت کرنے اور روزی کمانے

کرنے کے لیے دولتمندوں، مطلق العنان فرمانرواؤں اور استعمار پسندوں کے حاشیہ نشین بن جاتے ہیں تاکہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ج۔ گروہ بندی

جب نفاق اور چاپلوسی عام ہو جائے تو پارٹی بازی کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر گروہ اپنا کلب، پارٹی اور انجمن تشکیل دیتا ہے اور دونوں گروہوں کے درمیان مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب جسارت اور نفرت کا آغاز ہوتا ہے۔ دونوں گروہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور ان کی جسارت اور پریشانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

د۔ دہشت گردی

سابقہ ردِّ عمل بالآخر دہشت گردی پر منتہی ہوتے ہیں اور جن معاشروں میں سابقہ ردِّ عمل سرایت کر جائیں ان میں دہشت گردی کا آغاز ہو جاتا ہے، اور جب یہ طبیعی عادت بتدریج ان کے مزاج کا جزو بن جاتی ہے تو وہ عجیب مشکلات اور تکالیف برداشت کر لیتے ہیں اور استعمار پسندوں کو سرنگوں کرنے اور آمروں کا قلع قمع کرنے کے لیے نبرد آزما رہتے ہیں اور سبھی مل کر مکتبِ حسینؑ ابن علیؑ سے سیکھا ہوا درس دُہراتے ہیں ؎

ذلّت کی زیست سے ہے عزت کی موت بہتر
یہ راہِ زندگی ہے باقی رہ خطا ہیں

ظاہر ہے کہ جوں جوں آمرانہ خصوصیات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ان کے ردّعمل کے آثار بھی زیادہ نمایاں ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات ویت نام کی طرح بے قاعدہ فوج کی جنگیں اور طرفدارانہ لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ان کے بعد عالمی جنگیں شروع ہو جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے ردّعمل سے نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ قوموں کی ناراضگی اور بے اطمینانی کے اسباب ختم کیے جائیں تاکہ ردِّعمل کے آثار بھی بتدریج ختم ہو جائیں

تاریخ سے ایک مثال

اگر ناصر الدین شاہ گولی کا نشانہ بن گیا اور اس کی زندگی ختم ہو گئی تو اس کی وجہ عمل اور اجتماعی ردعمل ہی تھی۔ اس حقیقت کو آپ مندرجہ ذیل جملوں سے بخوبی سمجھ سکیں گے۔

محمد شاہ قاچار کے دورِ حکومت میں کچھ روشن خیال ایرانی تاجر استنبول (ترکی) میں جمع ہوتے اور انھوں نے محمد شاہ کو لکھا کہ اگر بارہ ایسے قابل افراد کا انتخاب کر لیا جائے جنھیں پیشوایانِ مذہب اور مراجعِ تقلید کا اعتماد حاصل ہو اور وہ ملک کے اہم امور کی ذمّے داری سنبھال لیں اور اصلاحات نافذ کریں تو ہم ملک کے مختلف محکموں اور فوج کے چھ سال کے اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہیں اور اصلاحات نافذ ہو جانے کے بعد ہم یہ رقوم طویل المدّت قسطوں میں واپس لے لیں گے۔

شاہ نے اس پیشکش کی جانب کوئی توجّہ نہ دی۔ ناصرالدین شاہ کے زمانے میں ان لوگوں نے ایک دفعہ پھر اپنے نمائندے شیعوں کے بزرگ پیشوا حضرت آیت اللہ حاج میرزا حسن شیرازی کے پاس بھیجے اور مندرجہ ذیل چھ تجاویز پیش کیں:

(۱) کاروبارِ حکومت ایماندار اور متدیّن وزیروں میں تقسیم کر دیا جائے۔

(۲) مجلسِ شورائے ملّی (پارلیمنٹ) تشکیل دی جائے جس کے ارکان عوام کے نمائندے ہوں اور انھیں مراجعِ تقلید کا اعتماد حاصل ہو۔

(۳) سرکاری رقوم کی خورد بُرد کی روک تھام کی جائے۔

(۴) پورے ملک میں ریلوے لائن بچھائی جائے اور اس مقصد کے لیے سرمایہ اندرونی ذرائع اور ایرانی تاجروں سے حاصل کیا جائے۔

(۵) دوسرے ملکوں سے کوئی قرضہ نہ لیا جائے

(۶) وزارتِ انصاف تشکیل دی جائے۔

ان سفارشات کی خبر پھیلتے ہی شاہ کی مطلق العنانی میں اضافہ ہو گیا۔ غیر ملکی قرضے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ بلجیم کے مسٹر نوز کو کسٹم کا وزیر بنا دیا گیا اور اس نے قوم کی ہر مقدّس چیز کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

تاجروں کی بیداری اور اہلِ روحانیّت کی روشن فکری نے مطلق العنانی اور استعمار کے خلاف جنگ کے لیے راستہ ہموار کر دیا اور تمباکو کے سلسلے میں معرکہ آرائی اس سے منسلک ہو گئی اور جب استعمار پسندوں نے دیکھا کہ اب مطلق العنانی کے تلوں میں تیل باقی نہیں رہا اور اس سے اب مزید فائدہ اٹھانا

ممکن نہیں تو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے آئینی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور جہاں تک اس بات کو اپنے لیے مفید سمجھا ایرانی تاجروں کی ضروریات خود پوری کر دیں۔

اگر انھوں نے مجلس شوریٰ تشکیل دی تو اس لیے کہ اپنے جرائم کی توثیق کرالیں اور سیاہ سونا (تیل) حاصل کریں اور اگر ریلوے لائن بچھائی تو اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ اسے دوسری عالمگیر جنگ میں استعمال کریں اور ایران کو "فتح کا پل" کا نام دیں۔

جی ہاں! یہ تمام اقدامات اس لیے کیے گئے تاکہ تمباکو کی حرمت کی داستان تیل کے بارے میں امتیازات کے سلسلے میں نہ دہرائی جائے اور ایک دفعہ پھر روحانیت ان کے ہاتھوں معدنیات کی لوٹ کھسوٹ کے راستے میں حائل نہ ہو جائے۔ اس تمام شور و غوغا اور آئینی حکومت کی حمایت کا مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے سفیر نے ایران کے وزیر اعظم سے جو کچھ کہا اس کی صحت ثابت ہو جائے۔ اس نے وزیر اعظم ایران کو جو انگریزوں سے متوسّل تھا اور اس تابعداری کے خاتمے کا خواہشمند تھا یہ کہا تھا کہ "حکومتِ انگلستان کا تابعدار ہونا تاج کیانی سے زیادہ قابلِ فخر ہے"۔

المختصر جس چیز کے تاجر زیادہ خواہشمند تھے وہ یہ تھی کہ نالائق افراد کو حکومت سے نکال باہر کیا جائے اور ان کی جگہ وطن دوست اور دیندار لوگوں کو مقرر کیا جائے۔ لیکن رتّی بھر توجہ بھی اس امر کی جانب نہ

دی گئی۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ حکومتِ ایران بیرونی قرضے لینے سے اجتناب برتے لیکن اس تجویز کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا اور غیر ملکی قرضوں کی بدولت نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ جب سعدالدولہ نامی ایک وزیر نے اعتراض کیا کہ نوز اجازت حاصل کیے بغیر شاہ کے پاس کیوں جاتا ہے اور ہماری ہر مقدس چیز کا مذاق کیوں اڑاتا ہے اور یہ بھی کہا کہ جب میں بلجیم میں ایران کا سفیر تھا تو میں نے اسے سفارت خانے میں گھسنے نہیں دیا اور جب میں باہر آیا تو اس نے خواہش ظاہر کی میں اسے حکومتِ ایران میں ملازمت دلا دوں اور اب وہ بلا اجازت شاہ کے کمرے میں جا پہنچتا ہے تو وزیر اعظم نے جواب دیا :

"کیا کیا جائے ؟ اگر نوز رقم نہ دے تو شاہ اور دربار کا خرچ پورا نہیں ہوتا۔"

قصہ کوتاہ غیر ملکی قرضوں کی خاطر نوز کسٹم اور مالی امور کا وزیر بن گیا اور ایرانی قوم استعماری طاقتوں کے ایجنٹوں اور حکومتِ وقت کی خودسری سے تنگ آگئی اور جب میرزا رضائے کرمانی نے ناصرالدین شاہ کو قتل کیا تو کہا: "میں نے مطلق العنانی کے سر پر تیشے کی ضرب لگائی ہے"۔ بلاشبہ خودسری کا ردِّ عمل یہی ہوتا ہے۔

انبیاء کا ہدف

اس میں کوئی شک نہیں کہ آمروں کے جرائم اور وحشیانہ اعمال معاشرے

اور قوم کے مفاد کے خلاف ہوتے ہیں اور دوسری جانب قوم کی دہشت گردی بھی جو حکّام کے وحشیانہ اعمال سے جنم لیتی ہے معاشرے کے اضطراب اور پریشانی کا سبب بنتی ہے۔

اگر خدا کے فرستادہ پیغمبر اٹھ کھڑے ہوئے تو اس کا مقصد دونوں گروہوں کو کنٹرول کرنا اور دونوں اطراف کے فرائضِ منصبی واضح کرنا تھا اور تاریخ میں جو رسول گزرے ہیں وہ بھی حکّام اور قوم کی بہتری کے لیے اُٹھے ہیں اور انھوں نے کوشش کی ہے کہ دونوں فریقوں کی رہنمائی، خوش نصیبی اور سربلندی کی جانب کریں۔ آمروں کو خودپسندی کی بلندی سے نیچے گرائیں اور ان کے وحشیانہ اقدامات کو کنٹرول کریں۔ قوم کو روحانی اور اعصابی پریشانی سے نجات دلائیں اور تشویش، خوف اور وحشت سے آزاد کریں اور عالمی جنگیں چھڑنے کے امکانات کا سدِّباب کریں۔

اگر قرآنِ مجید میں تقریباً چھ سو آیات حضرت موسیٰؑ اور ان کے معرکوں کے بارے میں موجود ہیں اور ۱۸۰ آیات میں حضرت ابراہیمؑ بت شکن اور ان کے کارناموں کا ذکر آیا ہے تو یہ سب کچھ مسلمانوں اور قرآن مجید کے پیروؤں کو کنٹرول کرنے کے لیے ہے۔

بلاشبہ جب انسان دیکھتا ہے کہ قرآن مجید میں سات آیتیں قتلِ نفس (انسان کو مار ڈالنا) اور آٹھ آیتیں انبیاء کو قتل کرنے کے بارے میں ہیں اور اگرچہ یہ دونوں بڑے اہم اجتماعی موضوع

ہیں لیکن ان کے بارے میں بہت کم بحث ہوئی ہے لیکن آیاتِ قرآنی کے بارھویں حصے کا تعلق حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ سے ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ انبیائے کرامؑ کا قیام اور بعثت اور قرآن مجید میں ان کے حالاتِ زندگی کا تذکرہ تمام تر معاشرے کو کنٹرول کرنے اور لوگوں کو خوش نصیبی اور سربلندی کا راستہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے۔

دراصل ان کی داستانیں زندگی کا درس دینے اور وعظ و نصیحت کی خاطر دہرائی گئی ہیں تاکہ قرآنِ مجید کے پیرو اِن سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی قوم کی حالت بہتر بنانے کی جانب قدم بڑھائیں اور وہی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ یعنی خودغرضی اور جرم کے خلاف جنگ۔ جس کی خاطر قرآنِ مجید نے یہ قصّے بیان کیے ہیں اور دوسری جانب معاشرے کی رہنمائی اس کے بنیادی مقصد۔ یعنی خوش بختی اور سربلندی کے حصول کی کوشش۔ کی جانب کریں۔

اگر پیغمبر اسلامؐ کے پروگرام میں نیک اخلاق کی تکمیل سرفہرست ہے تو اس کا مقصد حکّام اور قوم کی رہنمائی ہی ہے اور اسی مقصد کی بنا پر آپ کو رحمۃً اللعالمین کے لقب کا افتخار حاصل ہوا ہے کیونکہ آپ نے ان داخلی جنگوں کا سدِّباب کیا جو قیصر و کسریٰ کے استعمار پسندوں کی کارروائیوں کا ردِ عمل تھیں اور جن کا نتیجہ بالآخر قبائلی اور عالمی جنگوں کی صورت میں نکلنا تھا۔

جی ہاں! اگر انبیائے کرامؑ اور اللہ کے نیک بندوں نے

قیام کیا ہے تو اس کا مقصد قوم کو غربت، قتلِ عام اور قید سے نجات دلانا تھا اور وہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ مختلف ممالک کو ٹوٹ پھوٹ اسلحہ کی دوڑ، سرد جنگ، طرفدارانہ لڑائیوں اور گوریلا حملوں سے باز رکھیں تاکہ ان کا نتیجہ وسیع تر جنگوں کی شکل میں نہ نکلے اور دنیا اضطراب، وحشت اور بے چینی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اگر علمائے کرام حکّام کو نصیحت کرتے ہیں تو اس کا مقصد آمریت سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا سدّباب کرنا ہوتا ہے اور اگر وہ قوم کو خاموش اور پرسکون رہنے کی تلقین کرتے ہیں تو اس کا مقصد کبھی معاشرے، ملک اور قوم کی خوشحالی اور دہشت انگیزی کو وجود میں آنے سے باز رکھنا ہوتا ہے۔

تاہم یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ بعض اوقات استعمار پسند مچھلیاں پکڑنے کے لیے پانی کو خود گدلا کر دیتے ہیں اور روحانی لوگوں کے ارشادات حکّام اور عوام تک پہنچنے ہی نہیں دیتے اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آمریت کی خرابیوں اور ان کے ردّعمل سے فائدہ اٹھا سکیں۔

حضرت ابراہیمؑ بت شکن

حضرت ابراہیمؑ نے جو خدا کے ایک پیغمبر تھے ان دونوں فریقوں یعنی آمر اور قوم کا سامنا کیا اور یہ کوشش کی کہ عالمی اور اجتماعی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ کاٹ دیں۔

اگرچہ بعض کوتاہ نظر لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید اپنے نزول کے زمانے کے لیے ہی نازل ہوا تھا اور اسی دَور کے لیے مفید تھا لیکن اگر ہم اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید کے حقائق ہمارے دَور کے لیے مناسب ہیں اور دنیا کی قوموں اور نمرودوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں بلکہ آئندہ ادوار میں بھی یہ حقائق باقی رہیں گے۔

جی ہاں! اگر ہم غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ابراہیم اور نمرود ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے ہیں اور جب تک انسان اخلاقی وحشی پن سے نجات نہیں پا لیتا یہ جنگ جاری رہے گی۔ واحد فرق جو نظر آتا ہے وہ لڑائیوں کے طریقۂ کار اور ان کے وسائل میں ہے۔

م۔ زمانی
۱۹۶۰ء

پہلے ایڈیشن کا مقدمہ

صبحِ انقلاب

بنی نوعِ انسان کی تاریخ کے دو حصے ہیں۔ ایک تاریخ تو سیاسی تبدیلیوں کی ہے اور دوسری معنوی اور ذہنی انقلابات کی ہے۔ پہلے حصے کی تاریخ لکھنے والے ان سیاسی سرگرمیوں، لڑائیوں اور خونریزیوں پر توجہ دیتے ہیں جو مختلف قوموں یا لوگوں کے درمیان وقوع پذیر ہوتی ہیں اور جو فتوحات یا شکستیں ان کے حصے میں آئیں ان کی تشریح کرتے ہیں۔ محققین بعض اوقات ان حوادث کے علل و اسباب پر بھی توجہ دیتے ہیں اور تاریخی واقعات کی تحلیل اور تجزیہ کر کے ان کی وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اس عمل کو اصطلاحاً فلسفۂ تاریخ کہا جاتا ہے۔

ذہنی تاریخ کا موضوع وہ روحانی تبدیلیاں اور اخلاقی انقلابات

ہیں جو مختلف قوموں میں رونما ہوتے ہیں۔ تاریخ کے اس حصّے میں ہمیں اخلاق اور ترقّی کے معلّمین کی سرگرمیوں اور قوموں کی سرفرازی کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور ان روحانی تحریکوں کا ذکر ہوتا ہے جو ممتاز اور عالی مرتبہ افراد کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔

سیاسی تاریخ کے ہیرو بادشاہ، مقتدر اشخاص اور سیاستداں ہوتے ہیں جبکہ روحانی انقلابات کے رہنما اور روحانی تحریکوں کو وجود میں لانے والے ایسے اشخاص ہوتے ہیں جو خوبیوں سے آراستہ ہوتے ہیں اور اس دنیا کے مال و دولت اور ظاہری حیثیّت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

سیاسی انقلابات برپا کرنے والے میدانِ عمل میں اس وقت اُترتے ہیں جب وہ بہت سے لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کر لیتے ہیں تاکہ ان کی مدد کی بدولت انھیں اپنی فتح کے بارے میں اطمینان ہو جائے لیکن روحانی تحریکوں کے علمبردار اپنی دعوت کا آغاز تنہا اور بغیر کسی لاؤ لشکر یا مال دولت کے فقط پختہ ایمان اور غیر متزلزل ارادے کے بل بوتے پر کرتے ہیں۔ وہ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اور مشکلات اور تکالیف کے مقابلے میں ثابت قدم رہتے ہیں حتّٰی کہ اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے فرستادہ پیغمبر ہوتے ہیں۔ انبیائے کرامؑ کی تاریخ۔ جہالت، نادانی اور ہوس پرستی کے خلاف ان کے معرکے اور خود غرض لوگوں کے مظالم اور مزاحمت

کے مقابلے میں ان کی ثابت قدمی، حسنِ سیرت، دلاوری اور مردانگی کے عظیم ترین اسباق ہیں۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس موضوع کے بارے میں ہمارے نوجوانوں اور روشن خیال اشخاص کا علم بہت ہی کم اور بعض اوقات صفر کے برابر ہے۔ جس چیز سے وہ واقف ہیں وہ زیادہ تر بادشاہوں کے حالاتِ زندگی ہیں جو طاقت کے تخت پر تکیہ لگاتے ہیں اور غرور، نخوت اور نوکِ نیزہ پر انحصار کرتے ہوئے اپنی طاقت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اپنے دشمن کے خلاف برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور آخر کار کبھی فتح پاتے ہیں اور کبھی مغلوب ہو جاتے ہیں۔

تعلیمی نصاب کی تیاری کے سلسلے میں بھی اس اہم مسئلے کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور تاریخ کے نصاب میں انبیائے کرامؑ کے حالاتِ زندگی کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی جاتی۔

آجکل کی دنیا میں جبکہ اسلحہ کی دوڑ شروع ہے اور مشرق اور مغرب ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں اور ہر ایک کی یہ کوشش ہے کہ دوسرے سے بہتر اور زیادہ قوی ایٹمی اور ہائیڈروجنی ہتھیار تیار کرے انبیائے کرامؑ کی انجام دی ہوئی خدمات کی قدر و قیمت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے اور یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو گئی ہے کہ نوجوانوں کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے سبق آموز حالاتِ زندگی جاننے کی اشد ضرورت ہے۔ آجکل بہت سے ایسے لوگ ہیں جو

تیسری عالمی جنگ چھڑ جانے کے خوف سے پریشان ہیں اور دَورِ حاضر کی کشمکش سے عاجز آچکے ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ انبیائے کرامؑ کے مکتب کی جانب رجوع کریں اور ان معلمینِ اخلاق سے صلح صفائی اور خلوص کا سبق سیکھیں اور فساد، جاہ پرستی اور خود غرضی کے خلاف ان کے طولانی معرکوں سے عبرت حاصل کریں۔

خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں سے ایک حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں جن کا نام قرآنِ مجید میں عظمت اور احترام سے لیا گیا ہے اور پیغمبر اسلامؐ کو ان کی اولاد میں سے ہونے کا فخر حاصل ہے۔ تاریخ نے ان کی گرانبہا خدمات کو سنہری لفظوں میں تحریر کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی لڑکپن کے آغاز سے لیکر بلوغت، جوانی اور بڑھاپے تک غلط اعتقادات کے خلاف جنگ کرتے گزری۔ ان کی یہ معرکہ آرائی اور ان کے بیوی بچّوں کے حالات سبھی عجیب، ہیجان انگیز، اہم اور سبق آموز نکات کے حامل ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور ان کا ماحول

کئی ایک ماہرینِ نفسیات یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر انسان کی شخصیت اور خیالات ماحول کا پرتَو اور اجتماعی تربیت کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں۔ بعض دوسرے ماہرین، وراثت کے عامل کو بھی علیحدہ طور پر یا ماحول کے معاون کے طور پر شمار میں لاتے ہیں اور اس وسیلے

سے انسان کی افتادِ مزاج اور ذہنیت کی وضاحت کرتے ہیں۔
تاہم تاریخ میں ایسے نوابغ (Geniuses) بھی دکھائی دیتے ہیں جو ماحول کی روش کے برخلاف قدم اٹھاتے ہیں اور مکمل ذہنی آزادی کے ساتھ ایک ہدف پر ایمان لے آتے ہیں اور لوگوں کے خیالات کے خلاف جو اِن کے عقیدے کے مطابق غلط اور توہم پرستانہ ہوتے ہیں جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ خود یہ مخالفت بھی دوسری سمت میں ماحول کا ہی ایک اثر ہوتی ہے اور وہ ان معنی میں کہ یہ نوابغ اکثریت کی روش پر جو اعتراض یا تنقید کرتے ہیں وہ اس امر کا موجب بنتی ہے کہ وہ اپنا راستہ بدل کر دوسرا راستہ اختیار کریں۔ تاہم بیدار خیالی، مشکلات اور تنقید کی جانب توجہ دینا اور اکثریت کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا اس قسم کے اشخاص کے نبوغ اور عالی دماغی کی دلیل ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ بت پرستی، ستارہ پرستی اور ماہ پرستی کے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے چچا کی سرپرستی میں تربیت پاتے ہیں جو بت ساز اور بت فروش ہے۔ چنانچہ جونہی وہ ہوش سنبھالتے ہیں اور ان کا ذہن کام کرنے لگتا ہے ان کا واسطہ بتوں سے پڑتا ہے۔

لیکن یہ خرافات ان کی عقل اور روح کو دکھ پہنچاتی ہیں اور اس دنیا اور اس کے پیدا کرنے والے کے بارے میں ان کی تحقیق کی

حِس کو تقویت دیتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ دل ہی دل میں کہتے تھے: بُت! بُت! بُت! یہ کیسا غلط خیال اور موہوم عقیدہ ہے۔ لوگ کیوں اس بے روح اور عقل سے عاری مجسّمے کے سامنے کورنش بجا لاتے ہیں اور یہ تمام قربانیاں اور ہدیے کیوں اس پر نثار کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے اسے اتنا اونچا رتبہ کیوں دے رکھّا ہے کہ جو کوئی بھی اس کے خلاف کوئی بات کہتا ہے اسے یا تو قید کر دیا جاتا ہے یا جلا وطن کر دیا جاتا ہے اور یا قتل کر دیا جاتا ہے۔ اِس بے حِس اور بے حرکت چیز نے معاشرے کی کونسی خدمات انجام دی ہیں کہ اسے اتنا بلند رتبہ دے دیا گیا ہے؟

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا تھا تاکہ وہ بنی نوعِ انسان کو انسانیت، تقویٰ، فضیلت اور شرافت کی دعوت دیں۔ تاہم وہ تمام پیغمبروں کی طرح اس نتیجے پر پہنچے کہ اس مقصد کے حصول کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ان بتوں کا وجود ہے لہٰذا انھوں نے سب سے پہلے اس امر کی جانب توجّہ مبذول کی کہ اِن خیالی خداؤں کو نیست و نابود کر دیں اور خرافات کی اس وزنی زنجیر کو لوگوں کی عقل کے ہاتھ پاؤں سے اتار کر دُور پھینک دیں۔

بلاشبہ یہ راستہ بڑا دشوار اور خطرناک تھا اور ممکن تھا کہ اس اقدام کی قیمت انھیں اپنی جان کی شکل میں ادا کرنی پڑتی۔ تاہم توحید کے مردِ میدان حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو ہر مصیبت کے لیے

تیار کر لیا اور مکمل خلوصِ نیت اور قلب کی پاکیزگی کے ساتھ اس راستے میں قدم رکھا اور فرمایا:

"میں اس خدا پر ایمان رکھتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس کے کسی شریک یا ہمتا کا قائل نہیں ہوں۔"

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لاالٰہ میں ہے

بلاشبہ آپ نے اس پختہ ایمان کے ساتھ میدانِ کارزار میں قدم رکھا اور تمام غلط خیالات کے خلاف جنگ لڑی۔ آپ کے مخالف آپ کے خلاف متحد ہو کر صف آرا ہو گئے۔ مغرور نمرود نے آپ کو دھمکیاں دیں۔ تاہم ان چیزوں نے آپ پر رتی بھر اثر نہ کیا آپ نے جو راستہ اختیار کیا تھا اسی پر چلتے رہے حتیٰ کہ کامیاب ہو گئے۔

عقل و فکر کی آزادی

حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کے خیالات کو بیدار اور آزاد کیا اور توہم پرستی کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ انھوں نے لوگوں کی عقل اور دماغ کو صحیح راستے پر ڈالا اور اس سائنسی انقلاب کا بیج بویا جو کافی مدت بعد و نوع پذیر ہوا۔ موجودہ زمانے کے انسان کو جو علمی ترقی سے

بہرہ مند ہے اور اس پر ناز کرتا ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انبیائے کرامؑ نے اور بالخصوص حضرت ابراہیمؑ نے اس سائنسی تحریک کی بڑی مدد کی ہے ۔ جو انسان، ستارے، چاند، سورج، پانی، آگ، پہاڑ یا پتھر کے خدا ہونے پر اعتقاد رکھتا ہو وہ یہ جرأت کیونکر کرسکتا ہے کہ انھیں تسخیر کرنے اور ان سے اپنی بہتری کے لیے استفادہ کرنے کے متعلق سوچے ؟

حضرت ابراہیمؑ نے تمام پیغمبروں کی طرح انسان کی قدر و قیمت کی تشخیص کی اور فرمایا : اے انسان! تو اس سے بہت بلند تر ہے کہ بتوں، چاند یا سورج کے سامنے اپنا سر جھکائے ۔ تُو اس دنیا کے تمام موجودات سے عظیم تر ہے اور یہ سب چیزیں تیرے لیے پیدا کی گئی ہیں ۔ تیرے لیے ذہنی اور سائنسی ترقی کی ایک ایسی راہ کھلی ہے جس کی کوئی حد نہیں ۔

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے، تُو نہیں جہاں کے لیے
(اقبالؔ)

جن اسکالروں نے سائنس اور بنی نوع انسان کے سائنسی کارناموں کی تاریخ لکھی ہے انھوں نے یہ نکتہ اشارتاً یا بالصراحت بیان کیا ہے اور "مذہب اور سائنس" کے عنوان یا دوسرے عناوین کے تحت اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور انبیائے کرامؑ اور علمائے دین نے

سائنس اور صنعت کی جو خدمات انجام دی ہیں انھیں ایک مسلّمہ حقیقت قرار دیا ہے۔

امید ہے کہ ہمارے معاشرے کے روشن خیال افراد انبیائے کرامؑ کی زندگی کا مطالعہ کریں گے اور ان سے بیشتر واقفیت پیدا کریں گے تاکہ دیندار اور پڑھے لکھے طبقوں کے درمیان جو تھوڑا بہت فاصلہ باقی رہ گیا ہے وہ مکمّل طور پر ختم ہو جائے اور سب ایک صف میں کھڑے ہو کر مقدّس مذہبی اور قومی مقاصد کو عملی صورت دیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں قرآن مجید کے ایک بہت بڑے حصّے میں انبیائے کرامؑ کی داستانیں بیان کی گئی ہیں اور بالخصوص حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور ان کے نمرود اور فرعون سے معرکوں کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ ممکن ہے کہ غیرت مند دیندار اشخاص ان بزرگواروں سے ایثار اور استقامت کا سبق حاصل کریں اور انھیں کی طرح دینی مقاصد کے حصول کے لیے کسی چیز سے خوفزدہ نہ ہوں اور جب تک وہ مقاصد حاصل نہ ہو جائیں کوشش میں لگے رہیں اور یہ سمجھ لیں کہ فتح اور کامیابی خدا پرستوں کے لیے ہے اور ظالموں کی تباہی، خواری اور شکست یقینی امر ہے۔

موجودہ کتاب میں قارئین کو حضرت ابراہیمؑ سے آشنا کرایا گیا ہے اور اس پیغمبرِ اولوالعزم کے مکتبِ فضیلت کے دروس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے تحریر کرنے کا مقصد محض داستان سرائی

نہیں بلکہ کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس ہنگامہ خیز سرگزشت کے سبق آموز نکات بیان کیے جائیں اور قاری کو اس داستان کے فہم و ادراک سے ایک بلند تر افق پر لے جایا جائے اور اس کی رہنمائی جہادِ ابراہیمیؑ کی گہرائی اور حقیقت تک کی جائے۔

استاد ڈاکٹر محمد مفتح شہید

اللہ کے نام سے جو ظالموں سے انتقام لینے والا ہے

سرگوشیاں

کوہِ دماوند کے دامن میں ایرانی شہنشاہیت کا مرکز ہے۔ قوم کی جانب سے حکومت، ضحاک شاہِ ایران کے سپرد کی گئی ہے[1] تاکہ وہ لوگوں کو غربت اور بدبختی سے نجات دلائے اور ان کی رہنمائی عظمت اور سربلندی کے راستے کی جانب کرے۔

شہنشاہِ ایران نے لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے ملک کو کئی ایک ریاستوں یا خود مختار حکومتوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ریاست ایک شخص کے سپرد کر دی۔ بابل[2] کی ریاست نمرود[3] کو دے دی گئی۔

---

[1] کامل ابنِ اثیر جلد ۱ اور طبری جلد ۱ صفحہ ۲۰۴

[2] بابل جواب عراق میں واقع ہے نمرود سمیت ایران کے کئی ایک بادشاہوں کا پایۂ تخت رہا ہے۔ بابل کے لوگ عیش و عشرت، شراب نوشی، لڑکیوں کے اغوا، مردوں کو خراب کام کرنے پر مجبور کرنے اور بت پرستی کے لیے مشہور تھے (دیکھیے قاموس کتاب مقدس۔ صفحات ۱۵۰ تا ۱۵۵)

[3] نمرود، شہنشاہِ ایران یا بابل کی ریاست کے خود مختار حاکم 'نی نیاس' کا لقب تھا (دیکھیے تاریخ طبری اور روضۃ الصفا)

ماہرِ فلکیات خلید نے نجومیوں کی ایک عام محفل میں نمرود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"شہنشاہ سلامت! اس سال ایک بچّہ اپنے باپ کے صُلب سے ماں کے رِحم میں منتقل ہوگا اور جلد ہی جنم لے گا۔ یہ بچّہ عام بچّوں کی طرح نہیں ہوگا کیونکہ مجھے علمِ نجوم کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ یہ بڑا ہوکر لوگوں کو ایک نئے مذہب کی دعوت دے گا۔ انھیں آپ کے مجسّموں کی پرستش کرنے سے روکے گا اور بالآخر آپ کے تخت اور تاج کو سرنگوں کر دے گا۔" [1]

نمرود نے کہا:

میں نے ایک خواب دیکھا ہے جو تمھارے قول کی تائید کرتا ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا اور اس نے چاند اور سورج کی روشنی ختم کر دی۔ خواب کی تعبیر کرنے والے نے مجھے بتایا کہ میری شہنشاہیت، میرے مجسموں کی عبادت، میری مطلق العنانیت، میری کثیر آرزوئیں، میری خوبصورت بیویاں، میرے عیاش درباری، سب کے سب ایک ایسے بچّے کے ہاتھوں نیست و نابود ہو جائیں گے جو اسی قوم میں پرورش پائے گا۔ وہ بچّہ مجھے تختِ سلطنت سے زمین پر پٹخ دے گا۔ [2]

---

[1] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۹۶ [2] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۵

افسوس! کون یقین کرے گا کہ میری یہ تمام شان و شوکت۔ یہ تمام احترام اور عظمت اور میرے مجسموں کی پرستش ختم ہو جائے گی؟

نہیں یہ غلط ہے۔ یہ خواب کی تعبیر بتانے والا اور یہ ماہر فلکیات مجھے ڈرا رہے ہیں! کس میں اتنی جرأت ہے کہ میری طاقت کا مقابلہ کرے؟ یہ سارا لشکر، یہ وظیفہ خوار، ورزشی لوگ اور درباری اس بچے کے وجود میں آنے کو روک دیں گے اور اسے دنیا میں نہیں آنے دیں گے اور اگر وہ پیدا ہو بھی گیا تو اسے ختم کر دیں گے۔

خلید نے کہا:

مجھے آپ سے جو عقیدت اور آپ کے نظامِ حکومت سے جو محبت ہے اس کی بنا پر میں نے مستقبل کی صورت آپ پر واضح کر دی ہے، اور امید کرتا ہوں کہ آپ میری باتوں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے بلکہ متوقع حالات کا سدّباب کرنے کی فکر کریں گے۔

جہاں انسان عاجز ہے

نمرود گویا ہوا:

" اے دانشمند نجومی! اور اے حاضرینِ مجلس! تم لوگوں نے خلید کی باتیں سنیں اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کی باتوں کو صحیح سمجھتے ہو اور آنے والے واقعات میرے لیے خطرناک ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جنھوں نے اتنی مدّت تک میرے

دسترخوان پر لذیذ کھانے کھائے ہیں اور مجھے میرے آئندہ مبارک و منحوس ایّام کے بارے میں مطلع کیا ہے اور مجھے تفکّرات میں مبتلا کر دیا ہے اس مشکل کو حل کرنے کی کوئی تدبیر سوچو۔"

محفل میں موجود نجومی اور درباری حیران تھے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ تاہم خلید نے ایک مرتبہ پھر زبان کھولی اور کہا۔

"شہنشاہ سلامت! میرا خیال ہے کہ آپ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ کر دیں اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کا معائنہ کرائیں۔ ان میں سے اگر کوئی لڑکا جنے تو اس بچّے کو قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے زندہ رہنے دیا جائے۔[۱] اگر آپ اس بچّے کے شر سے نجات پانا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ مذکورہ عمل ایک سال تک جاری رکھیں تاکہ آپ اپنے تخت و تاج، حرم سرا، دربار اور باقی سب چیزوں کو تباہی سے بچا سکیں۔"

نمرود نے حکم دیا: "وزیر دربار حاضر ہو۔"

شہنشاہِ بابل کا وزیر دربار سینے پر ہاتھ رکھے دوڑتا ہوا آیا اور نمرود کے حضور میں کھڑا ہو گیا۔ نمرود نے اسے مخاطب کر کے کہا:

"ایک ایسا پروگرام ترتیب دو کہ مرد عورتوں سے الگ ہو جائیں اور حاملہ عورتوں کا معائنہ کیا جائے ان میں سے جس کسی کا لڑکا پیدا ہو اس لڑکے کو قتل کر دیا جائے۔"

---

[۱] روضۃ الصفا۔ جلد ۱

وزیرِ دربار نے جواب دیا:

"حضورِ والا! یہ کام چنداں مشکل نہیں۔ ہم مردوں کو شہر سے نکال دیں گے اور عورتوں کو شہر میں رہنے دیں گے اور ہر دس مَردوں پر ایک شخص تعینات کر دیں گے جو ان کی نگرانی کریں تاکہ وہ نہ تو فرار ہوں اور نہ ہی چوری چھپے شہر میں داخل ہو کر اپنی بیویوں سے ہم بستر ہو سکیں۔ علاوہ ازیں ہم دائیوں کو بھرتی کریں گے اور انھیں حکم دیں گے کہ کسی کی اجازت حاصل کیے بغیر گھروں میں داخل ہو جائیں اور عورتوں کا معائنہ کریں۔ جو عورت حاملہ ہو اس کا حمل گرا دیں یا اگر بچہ پیدا ہو جائے تو اس کے لڑکا ہونے کی صورت میں اسے قتل کر دیں اور اگر لڑکی ہو تو اسے چھوڑ دیں۔"

نمرود نے کہا:

"تم جو جرم بھی کرنا چاہو میری طرف سے اجازت ہے۔ عورتوں اور مردوں کو الگ الگ کر دو۔ شیر خوار بچّوں کو قتل کر دو یا حاملہ عورتوں کے حمل ساقط کر دو لیکن میرے تخت اور تاج کو ہر قیمت پر اس لڑکے کے شر سے بچالو اور اس کے وجود میں آنے کی روک تھام کر دو۔"

سچ تو یہ ہے کہ انسان بے حد غافل اور خود پسند ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا کی مرضی کے آگے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ یہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کا ہاتھ پاؤں مارنا بے سود ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سامنے بڑی سے بڑی مادّی اور روحانی قوّت اور بڑے سے بڑے

لشکر اور سلطنت کی طاقت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

بابرکت بستر

نمرود کے حکم کے مطابق بابل کے مردوں کو شہر سے نکال دیا گیا اور عورتیں شہر ہی میں رہ گئیں۔ اب شہر میں دائیاں تھیں، جلاد تھے، شیر خوار بچے تھے اور حاملہ مائیں تھیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ "ہزار سے لیکر ۱۰۰ ہزار کی تعداد میں لڑکوں نے جام شہادت نوش کیا۔[1] دائیاں بلا اطلاع گھروں میں گھس جاتیں اور ان کے اور جلادوں کے خوف سے ماؤں کے حمل ساقط ہو جاتے۔ بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے دیکھ کر ماؤں کی جاں سوز فریاد بلند ہوتی۔ ان کی فریادوں کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے حضرت ابراہیم ع قوانینِ قدرت کے مطابق دنیا میں تشریف لائے اور اس کے ساتھ ساتھ نمرود اور اس کی قوت کی بربادی کا سامان وجود میں آ گیا۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔

مردوں نے نمرود کے حکم کے مطابق شہر خالی کر دیا اور جنگلوں میں چلے گئے اور شہر پر دائیوں، جلادوں اور جاسوس عورتوں نے قبضہ کر لیا۔

تارخ[2] (حضرت ابراہیم ع کے والد) جو نمرود کے دربار کے معتمد

---

[1] روضۃ الصفا۔ جلد ۱ ۔ ناسخ التواریخ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۰

[2] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۲ اور کامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۳

عہدے داروں میں سے تھے اور جن کا کام شہر کی رکھوالی کرنا تھا اور مردوں کو شہر میں آنے اور اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستر ہونے سے روکنا تھا اپنی حسین بیوی نونا کو دیکھ کر (جو حضرت نوح[ع] اور ان کی بیوی کی اولاد میں سے تھیں) بے اختیار ہو گئے اور فریضۂ زوجیت ادا کیا۔[1]

ممکن ہے کہ تارخ پہلے شہر سے باہر ہوں اور پھر انھیں کوئی فریضہ سرانجام دینے کے لیے شہر کے اندر تعینات کر دیا گیا ہو لیکن انھوں نے نمرود سے وعدہ کیا ہو کہ وہ اپنی بیوی سے ہم بستر نہیں ہوں گے لیکن جب وہ شہر میں آئے ہوں تو ان کی نظر اپنی بیوی کے حسین چہرے پر پڑی ہو اور وہ نمرود کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بھول کر بیوی سے ہم بستر ہو گئے ہوں۔[2]

جو کچھ بھی ہوا ہو اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے کے بعد تارخ کو جب پتا چلا کہ وہ جلد ہی باپ بن جائیں گے تو انھوں نے سوچا کہ جو صورت پیش آنے والی ہے اس کا کوئی حل دریافت کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ نمرودیوں کے شر، ناداری اور تنگ دستی سے بچنے کے لیے بابل کے قریبی شہر "اور"[3] یا اہواز کی سرزمین "ہرمزجرد" کو روانہ ہو گئے۔[4]

---

[1] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ اور تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۱۷

[2] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۰۰ اور طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۵

[3] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۵ [4] تاریخ طبری جلد ۱۔ صفحہ ۲۱۷

خوش بختی کی صبح طلوع ہوئی

نجومیوں نے نمرود کو اطلاع دی کہ جس بچے کے بارے میں وہ فکرمند ہے اس کا نطفہ اس کی ماں کے رحم میں قرار پاگیا ہے اور اب وہ بچہ جلد ہی متولد ہونے والا ہے۔ [1]

جی ہاں! نطفہ ماں کے رحم میں قرار پاچکا ہے اور وہ خفیہ ہم بستری ایک بابرکت پھل وجود میں لائی ہے اور مستقبل قریب میں وہ پھل دنیا کو اپنے وجود سے فائدہ پہنچانے والا ہے۔

نمرود یہ وحشتناک خبر سن کر بے حد پریشان ہوا۔ اس نے حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں میں کاٹیں اور سراسیمہ ہو کر دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ وہ مجھ سے نبرد آزما ہونے والا کون سا ہاتھ ہے جسے میں نہیں پہچانتا۔

بلاشبہ نمرود گو بے حد ظالم تھا لیکن یہ وحشت انگیز خبر سن کر وہ بے حد پریشان ہوا اور اس نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی بن پڑے اس بچے کو ختم کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام حاملہ عورتوں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے اور پھر نمرود کا حفاظتی دستہ یکے بعد دیگرے ان کا معائنہ کرے اور نرینہ بچوں کو قتل کر دیا جائے۔

گو نمرود نے یہ طے کیا کہ حاملہ عورتوں کا معائنہ کیا جائے لیکن

---

[1] روضۃ الصفا۔ جلد ا۔ صفحہ ۱۰۰

دنیا جہان کو پیدا کرنے والے پروردگار کے دستِ قدرت نے بابل کے بت شکن کا نطفہ ان کی والدہ کے رحم میں ٹھہرایا اور پھر اس کی حفاظت بھی کی چنانچہ معائنہ کرنے والے یہ سمجھ ہی نہ پائے کہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ امید سے ہیں اور یہ صورت حضرت ابراہیمؑ کی ولادتِ باسعادت تک قائم رہی۔ [1]

جی ہاں! تمام تر قتلِ عام اور جرائم کے باوجود وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کا نطفہ قرار پانے کو نہ روک سکے اور باوجود ان تمام لڑکوں کے قتل کے جنھوں نے اپنی ماؤں کے دامن میں شربتِ شہادت نوش کیا اور بابل یا خوزستان [2] کی شفاف سرزمین کے افق کو تیرہ و تار کر دیا حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے اس دنیا میں اپنی آنکھیں کھولیں اور ایران کی سرزمین کے تاریک اُفق کو اپنی تشریف آوری سے منوّر کر دیا اور اپنے ملکوتی حسن کے ساتھ نمرود کے مجرمانہ نظام پر مسکرا دیے۔

جی ہاں! آپ نمرود کے حفاظتی دستے، خونخوار جلادوں اور دائیوں پر مسکرائے اور پھر زبانِ حال سے فرمایا:

"تو اپنے تمام سپاہیوں، تمام سراغرسانوں اور تمام جلادوں کے باوجود جو تو نے مجھے نابود کرنے کے لیے مقرر کر

---

[1] کامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۶ اور طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۴

[2] طبری، جلد ۱ صفحہ ۱۶۲ اور کامل جلد ۱۔ صفحہ ۵۳ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اہواز کے قریب سرزمینِ شوش میں پیدا ہوئے۔

رکھے تھے میری دنیا میں آمد کو نہ روک سکا میں دنیا میں آگیا اور جب تک میرے انمول بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے اور جب تک میرے دل کی گہرائیوں سے آخری سانس باہر آتا ہے میں بلا محابا تیری آمریت اور خدائی کے خلاف جنگ کرتا رہوں گا۔"

جی ہاں! آپ نے اضطراب، قتلِ عام، قید اور جلاوطنی کے ماحول میں، اس ماحول میں جس میں لوگ پوری رغبت یا خوف کے ساتھ نمرود زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے، یکم ذی الحجہ کو اس وسیع دنیا میں آنکھ کھولی۔ [1]

یا اللہ! میں کیا کروں

حضرت ابراہیمؑ کے پہلے رونے کی آواز پریشان اور مسرور ماں کے کانوں میں کیا پہنچی گویا اس کے کمزور بدن میں ایک نئی روح پھونک دی گئی!

ایسا کیوں نہ ہوتا؟ یہ وہی ماں تو تھی جس نے تکلیفیں اٹھائیں کئی دفعہ نمرود کے جاسوسوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی لیکن خدا کی مہربانی سے ان کے شر سے محفوظ رہی۔ یہ وہی ماں تھی جو مسلسل کئی راتیں سکھ کی نیند نہ سو سکی اور ہر وقت اپنے فرزندِ دلبند کی حفاظت کی فکر میں رہی۔

[1] آپ کی ولادت ہبوطِ آدم سے ۳۳۲۳ سال بعد واقع ہوئی (ناسخ جزو ا ہبوط صفحہ ۱۸۲)

یہ وہی ماں تھی جو جب بھی سوتی خوف اور دہشت کے مارے کئی بار چونک اٹھتی۔ ایسی ماں اپنے پیارے بیٹے کی ولادت پر کیوں خوش نہ ہوتی!

بلاشبہ نمرود نے دہشت انگیزی، خوف اور اضطراب کا جو ماحول پیدا کر رکھا تھا اس نے حضرت ابراہیمؑ کی والدہ اور دوسری حاملہ عورتوں کی سکھ کی نیند حرام کر دی تھی اور ایرانی مائیں ہر وقت یہی سوچتی رہتی تھیں کہ کیا ہمارے بچے نمرود کے جلادوں کے ہاتھوں بچ جائیں گے؟

جب حضرت ابراہیمؑ کے پہلی دفعہ رونے کی آواز ان کی ماں کے کانوں میں پہنچی تو خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو موتی کے دانوں کی طرح بہنے لگے۔ تاہم اس خوشی کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں پریشانی بھی پیدا ہوئی۔ نمرودیوں کی سرگرمیوں اور ان کی سفاکی کے تصور سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ کانپنے لگیں۔ قریب تھا کہ اس لرزے کی وجہ سے ان کی ہڈیاں ایک دوسری سے جدا ہو کر بدن سے باہر نکل پڑیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی موت کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا اور ان کی خوشی ہولناک خاموشی میں بدل گئی۔

جب بھی کوئی نامانوس آواز حضرت ابراہیمؑ کی ماں کے کانوں تک پہنچتی ان کے دل کو ایک دھچکا سا لگتا اور وہ اچھل پڑتیں۔ وہ

سوچتیں۔ آہ! کون ایسا قابلِ اعتماد ہمسایہ ہو جو میری مدد کو پہنچے! وہ دل ہی دل میں کہتیں۔ اے مہربان پروردگار! میری جان لبوں تک آپہنچی ہے۔ بچّہ جننے کی تکلیف نے مجھے نڈھال کر رکھّا ہے۔ اے مظلوموں کی پناہ گاہ اور مددگار! میری مدد کر۔

اے خدا! اگر میں شہر میں رہوں تو سراغرسان اس بات کا پتا چلا لیں گے کہ میں نے لڑکے کو جنم دیا ہے اور اگر جنگل میں چلی جاؤں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا بیٹا درندوں کا لقمہ بن جائے۔ میں کیا کروں؟ کسے پکاروں؟ تیری مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اب میں جنگلوں اور پہاڑوں کا رُخ کرتی ہوں۔ شاید مجھے پہاڑ میں کوئی غار مل جائے اور میں اپنے پیارے بچّے کو وہاں چھوڑ دوں اور سراغرسانوں کے شر سے محفوظ رہ سکوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں پہاڑ کی سنگلاخ زمین پر سکھ کی نیند سو سکوں۔

ذرا غور کیجیے کہ نمرود کی خود پسندی اور جاہ طلبی نے کیا صورت پیدا کر دی ہے! ایک بے آسرا عورت جو کہ ممکن ہے جنگلی جانوروں کے حملوں کا شکار ہو جائے یا کمینہ صفت لوگوں کے چنگل میں پھنس جائے یا سراغرسانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے اس پریشان کن ماحول کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہے کہ یہ تمام تکالیف برداشت کرنے کو تیار ہے تاکہ وہ اپنے شیرخوار بچے کو ذبح ہوتا نہ دیکھے۔۔

۔۔۔۔۔۔۔

پہاڑ کے غار میں

پریشان حال ماں جنگل کی طرف چل کھڑی ہوئی اور اس نے اپنے پیارے بیٹے کی سلامتی کی خاطر مشکلات کی کوئی پرواہ نہ کی۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ کی ماں نے پورے خلوص سے اللہ تعالیٰ کی امانت ایک پہاڑی غار میں سخت اور کھردرے پتھروں کے سپرد کر دی۔ ایک ایسے غار میں جہاں نہ تو کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی دایہ موجود تھی جو اسے دودھ پلائے۔

اضطراب، دہشت انگیزی اور وحشت انسان کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے! انسان جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا ہے اپنے ہم جنسوں کا جینا دوبھر کر دیتا ہے اور کشادہ زمین ایک شیرخوار بچے کے لیے اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اسے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔

حضرت ابراہیمؑ کی ماں نے دل ہی دل میں خدا کو یاد کیا اور کہا:

"بار الٰہ! اگر نمرود کے سراغرسانوں نے مجھے گرفتار کر لیا تو میں کیا جواب دوں گی!"

پھر خود ہی کہنے لگیں: "اگر کوئی ایسی مشکل پیش آئی تو میں کہوں گی کہ میری ماہواری کے دن تھے اور وہ دن گزارنے کے لیے میں پہاڑ پر چلی آئی تھی۔" [1]

---

[1] توراۃ کے مطابق یہودی عورتوں کے ایام حیض ۱۵ سے ۶۶ دن تک (باقی صفحہ ۷۰ پر

www.kitabmart.in

پھر کہنے لگیں:

"اے مہربان خدا! پہاڑ پر آنے کا بہانہ تو میرے ذہن میں آ گیا لیکن میں اپنے بیٹے کو غار میں چھوڑ کر کیسے واپس چلی جاؤں؟ یہاں نہ تو کھانا ہے نہ پانی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ پھر میرے شیر خوار بچّے کا کیا بنے گا؟"

پھر وہ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئیں اور کہنے لگیں:

"اے میرے پیارے بچّے! میں تجھے اپنی جان کے رس سے سیراب کروں گی اور پھر اس غار کے منہ پر ایک پتھر رکھ دوں گی تاکہ تو جانوروں کے شر سے محفوظ رہے اور نمرود کے دربار کے جلّاد بھی تجھ تک نہ پہنچ سکیں۔ بعدازاں تجھے خدا کے سپرد کر کے واپس چلی جاؤں گی۔[1]

اے میرے شیر خوار فرزند! میں چاہتی تو یہ ہوں کہ تجھ سے ہرگز جُدا نہ ہوں اور جب بھی تو روئے پستان تیرے منہ میں دے دوں اور

(بقیہ صفحہ ۶۹ سے آگے) جاری رہتے تھے اور ان دنوں میں نہ تو کوئی ان سے میل جول رکھ سکتا تھا اور نہ ہی مباشرت کر سکتا تھا اور اگر وہ قالین وغیرہ یا دوسرے لوازمات زندگی استعمال کرتی تھیں تو انھیں دھونا پڑتا تھا (توراۃ لاویان۔ باب ۱۲ تا ۱۵) ظاہر ہے کہ چونکہ ان عورتوں کو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے وہ پہاڑوں پر چلی جاتی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں بھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں۔

[1] کامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۶

تجھے اپنی جان کے رس سے سیراب کروں لیکن کیا کیا جائے ، درباریوں کی خونخواری کی وجہ سے نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تو پہاڑ کے غار میں اکیلا رہے ۔ تو خواہ کتنا ہی روئے چلّائے کوئی تیری مدد کو نہ پہنچے حتیٰ کہ میں خود چھپ چھپا کر دوبارہ تجھے دیکھنے آپہنچوں "۔

جی ہاں ! بابل کی سرزمین کے ماحول پر جو مُردنی چھائی ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ماں خفیہ طور پر اور شاید رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پیارے بیٹے کو دیکھنے جائے اور محبت کے آنسوؤں کے موتی حضرت ابراہیمؑ کے نورانی چہرے پر نچھاور کرے اور کمال شوق اور آرزو کے ساتھ دن گنتی رہے کہ کب حضرت ابراہیمؑ جوان ہوں !

ماں جس قدر زیادہ اپنے نورِ نظر کے حسین چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی اسی قدر اس کی محبت کا شعلہ اور زیادہ بھڑکتا اور بیٹے کی سلامتی کی خواہش زیادہ شدید ہو جاتی ۔ لہٰذا وہ خدائے بزرگ و برتر سے زیادہ عاجزی اور خلوص سے دعائیں مانگتی کہ اس کا پیارا بیٹا جوان ہو اور پھلے پھولے ۔

تیرہ سال گزر گئے

حضرت ابراہیمؑ کی غمزدہ ماں گاہے بگاہے رات کی تاریکی سے

فائدہ اٹھاتے ہوئے چوری چھپے اپنے پیارے بیٹے کو دیکھنے جاتیں اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتیں اور اپنی جان کا رس اس کے منہ میں ٹپکاتیں اور اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیتیں اور کہتیں :

"میرے پیارے بچّے! خوف، دہشت گردی اور اضطراب کی وجہ سے بابل کی سرزمین کے رہنے والوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا ہے۔ بوڑھے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور ان کی کمریں جھک گئی ہیں، پیشہ ور لوگ ٹیکسوں کی زیادتی کی وجہ سے دیوالیہ ہو چکے ہیں اور کمر توڑ دینے والے اخراجات کی وجہ سے قوم عاجز آچکی ہے۔ لوگ ہر وقت کسی ایسے انصاف پسند شخص کے منتظر ہیں جس کی حمایت کرنے کے لیے وہ کھلے بازوؤں کے ساتھ بھاگ کر جائیں اور دل و جان سے اس کی حفاظت کریں اور اس کی قوّت، ہر دلعزیزی اور روشن خیالی کے سائے میں مظلوم لوگ ناداری، مصائب اور بدبختی سے نجات حاصل کریں۔

اے میرے عزیز فرزند! مجھے امّید ہے کہ تو بڑا ہوگا اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچے گا اور قوم کو نمرود اور اس کے بتوں کی پرستش سے باز رکھے گا اور اس کی رہنمائی نوحؑ اور آدمؑ کے خدا کی جانب کرے گا۔

اے میرے نورِ نظر! اگر مجھ سے تیرا لباس بدلوانے یا تجھے خوراک مہیّا کرنے یا تیری دوسری ضروریات پوری کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے

تو میں مجبور ہوں ۔ تو نہیں جانتا کہ خوف اور دہشت گردی کے ماحول نے ہمیں کس مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ۔ ہم تو سکھ کا سانس بھی نہیں لے سکتے ۔ ہر لحظہ غمزدہ ماؤں اور مقتول بیٹوں کے باپوں کی جگر خراش فریاد انسان کے دل کو مضطرب کر دیتی ہے ۔

بلاشبہ ہر گھڑی جلّادوں کے ہاتھ پاؤں تلے تڑپنے والے شیرخوار بچوں کی چیخیں پتھر دل لوگوں کے دلوں کو بھی جلا کر کباب کر دیتی ہیں اور مظلوموں کو مشتعل کرتی ہیں لیکن نمرود کے سنگدل درباریوں کے دلوں میں رتی بھر رحم پیدا نہیں ہوا "

حضرت ابراہیمؑ کی ستم رسیدہ ماں ۱۳ سال تک اپنے بیٹے کی ملاقات کو جاتی رہیں ۔ وہ پہاڑی غار میں پہنچ کر اپنے لختِ جگر کو دیکھتیں اس کے گالوں اور ہونٹوں کو بوسے دیتیں اور ہر وقت یہی بات اس کے دل میں بٹھانے کی کوشش کرتیں کہ وہ اپنے آپ کو نمرود کی آمریت سے برسرپیکار ہونے کے لیے آمادہ کرے اور ستم رسیدہ قوم کو بتوں کی پرستش اور مظلومیت کے جوئے سے نجات دلائے ۔

موت کا ہیولیٰ

حضرت ابراہیمؑ نے ۱۳ سال پہاڑوں اور جنگلوں میں گزارے وہاں کی صاف اور لطیف ہوا نے ان کے جسم اور روح کو بالیدگی بخشی اور انھوں نے مضبوط روح ، آہنی ارادے اور ایمان سے لبریز

دل کے ساتھ بابل کی سرزمین میں جانے اور بتوں کو سرنگوں کرنے کا عزم کیا۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ شہر جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ تاہم ان کی ستم رسیدہ ماں جو وہاں کے حالات سے باخبر تھیں پریشان ہوگئیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے اپنے خوردسال بیٹے کو شہر جانے سے باز رکھیں تاکہ وہ نمرود کے خونخوار درباریوں کے شر سے محفوظ رہے انھیں اپنے بیٹے کے سر پر موت کا ہیولیٰ منڈلاتا نظر آرہا تھا اور وہ حیران تھیں کہ اس ممکنہ طور پر رونما ہونے والے حادثے کا مقابلہ کیونکر کریں۔

پریشان حال ماں، رات کے وقت یا خفیہ طور پر جس طرح بھی ہوسکا اپنے پیارے بیٹے کو بابل شہر لے آئیں اور نمرود کے سراغرسانوں سے بچتے بچاتے اور کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر اسے گھر پہنچا دیا اور پوری مہارت سے اسے موت کے ہیولے سے نجات دلائی۔

بابل کا سورج

شام کے وقت جب سورج بابل کے افق سے غروب ہو چلا تھا اور دنیا کو تاریکی میں ڈبو دینے کو تھا ایک اور درخشاں سورج نے بابل کی سرزمین کو اپنے وجود کے نور سے منوّر کر دیا۔ جی ہاں! اگر آسمان کا سورج فقط بابل کے دروازوں اور دیواروں کو روشن کر رہا تھا تو اس سورج کو اتنی قدرت حاصل تھی کہ سرزمینِ بابل کے رہنے

والوں کے دلوں کی گہرائیوں کو روشن کر دے اور اگر خورشید جہاں افروز دروازوں اور دیواروں اور جسموں کے ظاہری حصّوں کو گرم کرتا تھا تو اس سورج نے دلوں کو تپش اور سوز و گداز بخشا۔

جی ہاں! وہی حضرت ابراہیمؑ جنھیں ۱۳-۱۵ سال پیشتر نمرود کے خونخوار کارندوں کے خوف سے پہاڑ پرے جایا گیا تھا اب غار سے باہر آئے تاکہ اہلِ بابل کے جسم، جان اور روح کو روشن کریں۔

بابل کی سرزمین میں وہ سورج اُبھرا جسے اس ظلمت کدے کو ظلم اور جرم کی آلودگی سے پاک کرنا تھا اور خدا پرستوں کے بے جان جسم میں ایک تازہ روح پھونکنی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ جن کے حالاتِ زندگی سے ہم بہ صدیاں گزر جانے کے بعد استفادہ کرتے ہیں اور انھیں اپنے لیے ایک معیار قرار دیتے ہیں اپنے بھائیوں کے درمیان خفیہ طور پر شہر میں وارد ہوئے۔

یہ بُت کیا ہیں؟

حضرت ابراہیمؑ نے کئی سال شہر، سورج اور چاند سے دُور زندگی بسر کی تھی اور اپنی ماں کے پُرشفقت دامن اور غار کی تاریک دیواروں کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اب جب وہ غار سے باہر نکلے اور نئے موجودات، نئے کاروبار اور لامحدود فضا سے واقف ہوئے تو قدرتی طور پر ان کی توجہ ستارہ پرستوں کی سرگرمیوں کی طرف

مبذول ہوئی اور انھیں بحث ومباحثہ اور غور وخوض کی سوجھی تاکہ حقیقت کا ادراک کرسکیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

"ہیں! یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ انھوں نے کیوں اپنے سر زمین پر ٹکا رکھے ہیں اور بدن کا پچھلا حصّہ بلند کیے ہوئے ہیں۔ اماں جان! یہ لوگ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

آپ کی ماں نے جواب دیا: "عزیز بیٹے! یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ یہ ستاروں، چاند، سورج، نمرود کے مجسّمے وغیرہ کو پوجتے ہیں اور ان کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

"میں اس قوم کو جہالت اور گمراہی کی دلدل میں دھنستا ہوا دیکھ رہا ہوں اور یہ میری ذمّے داری ہے کہ انھیں اس سے نجات دلانے کے لیے کوئی تدبیر سوچوں۔"

جب رات کی تاریکی نے اپنا دامن پھیلایا اور ستارۂ زہرہ آسمان پر چمکنے لگا تو حضرت ابراہیمؑ کی نظر زہرہ پر پڑی تو وہ بے اختیار پکار اُٹھے: "یہ ستارہ میرا خدا ہے۔" لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ ستارہ غائب ہوگیا ہے تو انھوں نے کہا:

"میں انھیں پسند نہیں کرتا جو معدوم ہو جائیں۔"

اب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ چاند نکل آیا ہے۔ آپ نے کہا: "یہ ہے میرا پروردگار۔" لیکن جب دیکھا کہ چاند غروب ہوگیا ہے،

تو کہا :

"جو خدا غروب ہو جائے وہ سجدے کے قابل نہیں ہے ۔"

اب سورج طلوع ہوا۔ اس کے بے مثال جلوے نے حضرت ابراہیمؑ کو مبہوت کر دیا اور وہ بے ساختہ پکار اُٹھے : "یہ جوان سب سے بڑا ہے یہی میرا خدا ہے۔" لیکن آخر کار نور کا وہ بڑا ٹکڑا بھی غروب ہو گیا تب حضرت ابراہیمؑ نے بے اختیار اپنا مُنہ ستارے ، چاند اور سورج پوجنے والوں کی طرف موڑا اور کہا :

"یہ موجودات جن کی روش میں یکسانیت نہیں ہے پرستش کے قابل نہیں ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ تمھاری جماعت میں شامل ہو جاؤں اور تمھارے معبود کا احترام کروں اور اسے سجدہ کروں لیکن تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمھارے معبود پرستش کے قابل نہیں ہیں۔ میں تو دونوں جہان کے پروردگار کی جانب متوجّہ ہوں جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ میں فقط خدائے واحد کو سجدہ کرتا ہوں اور ستارے ، چاند اور سورج سے بیزار ہوں اور ان کی پرستش نہیں کرتا۔" [1]

یوں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے قلب کو معرفت کے نور اور توحید پر ایمان سے منوّر کر لیا اور پروردگارِ عالم کی یکتائی اور عظمت کا

---

[1] سورۂ الانعام (آیات ۷۷ تا ۸۰)۔

ادراک حاصل کیا۔ انھوں نے ستاروں کی گردش سے کائنات کے نظام اور اس کی تبدیلیوں کا پتا چلایا اور اس عمل سے بہت سے نتائج حاصل کیے۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ نے ایک مثبت عمل سے اپنی قوم پر واضح کر دیا کہ میں ستارے، چاند اور سورج کو جو بظاہر مفید چیزیں ہیں سجدہ نہیں کرتا اور جب میں ان کمزور موجودات کو سجدہ نہیں کرتا تو یقین رکھو کہ میں نمرود کے مجسمے کے سامنے بھی سر جھکانے کو تیار نہیں ہوں اور اسے تعریف اور سجدے کے قابل نہیں سمجھتا۔

بھلا سوچو تو سہی کہ یہ موجود جو بو، اثر اور خاصیت سے عاری ہے اس میں دوسری بے جان موجودات کے مقابلے میں کون سی ایسی خاصیت ہے جس کی بنا پر اسے سجدے کیے جائیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے؟ کیا یہ ہمیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ کیا جس شخص کا یہ مجسمہ ہے اس میں رحم، مہربانی اور انسانیت کی صفات موجود ہیں تاکہ اس کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اس کے مجسمے کا بھی احترام کیا جائے؟ کیا اس مجسمے کا مالک زاہد، متقی اور پرہیزگار شخص ہے تاکہ اس کی یہ صفات دیکھ کر ہمیں اللہ تعالیٰ یاد آجائے اور ہم بے اختیار سجدے میں گر جائیں؟

اس شہر کے سب فرزندوں کو خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے یہ جان لینا چاہیے کہ یہ موجودات پرستش کے قابل نہیں ہیں۔

مادی دنیا کے تغیرات اور اجرام فلکی کا طلوع اور غروب ہونا ہی

تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کے قلب کو منور کر دیا اور ان کے خیالات کو اس طرح موڑا کہ وہ ہر مشکل کے مقابلے میں ثابت قدم رہے [1] اور ان تمام ناگوار اور ناموافق حالات کے باوجود جن سے انھیں یکے بعد دیگرے سابقہ پڑا ایک پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس معاشرے میں قدم رکھا جس میں لوگ بتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ ان کے لیے قربانی دیتے تھے اور کھانا بے کر جاتے تھے۔ یوں سمجھیے کہ وہ ان بے روح مجسموں کے مقابلے میں اپنی انسانیت کی کسی قدر و قیمت کے قائل نہ تھے اور اپنے آپ کو باشعور اور عقلمند نہیں سمجھتے تھے! ان کی کوتاہ بینی کا یہ عالم تھا کہ وہ سورج، چاند، ستارے اور نمرود کے مجسمے کو معاشرے کے مؤثر عوامل شمار کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ان کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی کوتاہ اندیشی کا نتیجہ تھا کہ وہ ان بے روح موجودات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اکیلے اس بگڑے ہوئے معاشرے سے کس طرح پیش آئیں اور ان ناقص خیالات والے لوگوں سے

---

[1] یہی وہ ضمیر کی بیداری ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رؤیت ملکوت ابراہیم کا نام دیا ہے (سورۂ الانعام۔ آیت ۷۶ ... نُرِیَ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...)

کس طرح معاملہ طے کریں ؟ کیا وہ طاقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور معاشرے کی خرابیوں کے مقابلے میں کہیں کہ ؎

'رسوائی سے بچنا ہے تو ہمرنگِ جماعت رہ'

اور خود دوسروں سے بھی کہیں بڑے بُت پرست بن جائیں ؟

حضرت ابراہیمؑ کا ہدف طاقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے کہیں بلند تر ہے اور ان کے خیالات اس سے کہیں ارفع ہیں کہ وہ معاشرے کے سامنے جھک جائیں۔ وہ دوسروں سے کہیں زیادہ برتر خیالات کے حامل ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کے ہمنوا بن جائیں۔

گو حضرت ابراہیمؑ فردِ واحد ہیں اور ان کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں لیکن ان کے لیے لازم ہے کہ جو مقدس ہدف انھوں نے اپنایا ہے اس کے راستے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں ان سے قطعاً ہراساں نہ ہوں اور اپنے مقصد کے حصول کی جانب گامزن رہیں حتّیٰ کہ کامیابی اور فتحمندی سے ہمکنار ہو جائیں۔

اگر ہم حضرت ابراہیمؑ کے افکار و خیالات کا بغور مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان کا ستارے، چاند اور سورج کے پجاریوں اور نمرود کے مجسمے کو سجدہ کرنے والوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونا قطعاً منطقی اور درست تھا۔

حضرت ابراہیمؑ اور معاد

حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم کی ذات سے دلچسپی پیدا کی اور ان کا قلب توحید کی دولت سے مالا مال ہو گیا اور ستاروں کے بارے میں غور و فکر کرنے سے وہ وحدانیتِ الہٰی کے معتقد ہو گئے اور خدا کے عشق نے انھیں مبہوت کر دیا حتیٰ کہ وہ پروانہ وار گھومنے لگے تاکہ اپنی ذات کو خدا کی ہستی پر قربان کر دیں اور تمام مشکلات اور پریشانیاں برداشت کریں تاکہ مبدأ حقیقی سے زیادہ ارتباط پیدا کر سکیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے دین کا پہلا اصول (توحید) بخوبی سمجھ لیا لیکن دین کا دوسرا اصول (معاد) ان پر واضح نہ ہوا۔ انھوں نے کائنات کی لامحدود فضا میں اپنا خیال دوڑایا اور کوشش کی کہ دوسرا اصول بھی قطعی طور پر سمجھیں اور یہ معلوم کریں کہ جو موجودات آتے ہیں اور جاتے ہیں، کھاتے ہیں اور سوتے ہیں، دنیا سے چلے جاتے ہیں اور دنیا میں آجاتے ہیں عاقبت الامر اُن کا انجام کیا ہے؟ نمرودیوں اور ان کے جرائم کا نتیجہ کیا ہوگا؟

جب حضرت ابراہیمؑ سوچ بچار میں مصروف اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے ایک حادثے نے اتفاقاً ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ انھوں نے سمندر کے کنارے ایک مُردہ دیکھا جس کا کچھ حصہ پانی میں تھا اور کچھ حصہ خشکی پر تھا اور سمندر اور خشکی کے

حیوانات اور پرندے اُسے کھا رہے تھے۔ جلد ہی انھوں نے اس مُردے کا بدن کھا کر ختم کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کو یہ واقعہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے: میں نہیں جانتا کہ اس حیوان کا بالآخر کیا انجام ہوگا جسے سمندر اور خشکی کے حیوان اور پرند کھا گئے ہیں۔ انھوں نے دعا کی کہ بارِالٰہا! میرے لیے یہ مشکل حل فرما تاکہ تیرے بندوں کی روح کے بارے میں مجھے علم ہو جائے اور میرا مستقبل بھی مجھ پر واضح ہو جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کے قلب پر ایک نامرئی وجود مستولی ہو گیا اور اسے ایک تابناک کرن نے لستخیر کر لیا اور ان کے کان میں کہا کہ وہ چار پرندے مہیّا کریں [۱] اور ان کے سر ان کے بدنوں سے جدا کر کے اپنے پاس رکھ لیں اور بدن الگ الگ پہاڑیوں پر ڈال دیں اور پھر خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان پرندوں کو زندہ کر کے ان کے (یعنی حضرت ابراہیمؑ کے) پاس بھیج دے تاکہ وہ مُردوں کے زندہ ہونے کا انداز دیکھیں اور اپنی آنکھوں سے قیامت کے عمل کا مشاہدہ کر لیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے پرندوں کے سر کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیے اور ان کے بدن چند پہاڑیوں پر ڈال دیے اور پھر انھیں ان کے نام لے کر پکارا۔

خلّاقِ عالم نے اُن مُردہ حیوانات کو حضرت ابراہیمؑ کی خاطر زندہ کر دیا۔

---

[۱] ۱۔ مور ۲۔ کبوتر ۳۔ مرغ ۴۔ کوا

وہ فی الفور اُڑتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے آئے اور یکے بعد دیگرے اپنے سروں سے ملحق ہوکر اُڑ گئے۔ [۱]

پرندوں کے زندہ ہونے سے حضرت ابراہیمؑ نے حیات بعد از ممات کے فلسفے کا عملی مشاہدہ کر لیا۔ [۲]

اُڑی ہوئی رنگت

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ماں سے کہا:

"اماں جان! میں لوگوں میں سے جس عورت، بچّے، جوان یا بوڑھے کو دیکھتا ہوں اس کے چہرے کی رنگت اُڑی ہوئی پاتا ہوں۔ وہ آہ بھی نہیں بھرتے جو فریاد میں تبدیل ہو جائے۔ وہ کونوں کھدروں میں دیواروں سے ٹیک لگائے پڑے ہیں اور اتنی حرکت کی تاب بھی نہیں رکھتے کہ اپنے چہروں پر سے مکھیاں اُڑا سکیں۔ مختلف کیڑے مکوڑے ان کے بدنوں پہ رینگ رہے ہیں اور ان کا خون چوس رہے ہیں۔ یہ قوم کتنی

---

[۱] سورۃ البقرۃ۔ آیت ۲۶۰ (...... فخذ اربعۃ من الطیر.....) (مجمع البیان۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۷۳)

[۲] اگرچہ کہا جاتا ہے کہ مُردوں کے زندہ ہونے کا واقعہ نمرود سے بحث یا خلیلی کے مقام پر پہنچنے کے بعد ظہور پذیر ہوا لیکن زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کے معرکوں کے ابتدائی مراحل سے تعلّق رکھتا ہے۔ (مجمع البیان۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۷۲)

ناتوان ، بدحال ، غمگین اور رنجور رہے ؟"

آپ کی ماں نے جواب دیا :

" اے میرے نورِ نظر ! تم اپنے قوی اور تنو مند جسم کی طرف نہ دیکھو تم تارخ کے بیٹے ہو اور تمھارا باپ نمرود کے دربار کا ایک عہدیدار ہے لہٰذا اس نے ہمیں پیٹ بھر کر کھلایا ہے ۔ میں نے بھی تمھیں اپنی جان کا رس پلایا ہے اور ایک شجاع اور مضبوط انسان کے طور پر پالا پوسا ہے۔

جہاں تک قوم کا تعلق ہے لوگوں کی رنگت اس لیے اُڑی ہوئی ہے کہ غلامی ، اسیری ، ٹیکسوں ، بھوک اور دیوالیہ پن کا جُوا ان کی گردنوں میں پڑا ہے سبھی کم آمدنی اور زیادہ اخراجات کا رونا رو رہے ہیں اور زندگی کے بوجھ تلے دب کر ان کی کمریں جُھک گئی ہیں ۔

یہ رنجور اور ناتواں عورتیں جنھیں تم فریاد کرتے دیکھتے ہو وہ مائیں ہیں جنھوں نے اپنے بچّوں کو اپنی گودوں میں قتل ہوتے دیکھا ہے وہ ان کی جدائی سے پریشان ہیں اور ہر لحظہ نالہ وشیون کے ساتھ نمرود کے دربار پر لعنت بھیجتی ہیں ۔ ممکن ہے اس کی ظالمانہ حکومت ختم ہو جائے اور قوم اس کے مظالم اور جرائم سے نجات حاصل کرلے ۔

اے میرے نورِ دیدہ ! نمرودیوں نے ایک لاکھ شیرخوار بچّوں کو ذبح کیا ہے تاکہ اس بچّے کی دنیا میں آمد کا سدّباب کرسکیں جسے ان لوگوں کے ظلم وستم کے خلاف نبرد آزما ہونا ہے ۔"

حضرت ابراہیمؑ اپنی ماں کی باتوں کے متعلّق سوچتے رہتے تھے۔

وہ سوچ بچار کرتے، گھومتے پھرتے، دنیا کے اسرار سے سبق حاصل کرتے، اپنی قوم کی زندگی پر غور کرتے اور اپنے ہم جلسوں کے حقیقی حالات سمجھنے کے لیے گھوم پھر کر تحقیق کرتے تھے۔

اتفاق سے حضرت ابراہیمؑ ایک ایسی جگہ جا پہنچے جہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک مرد ایک بدچلن عورت سے ہم بستر ہوا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس کی اس حرکت پر بہت رنج ہوا۔ انھوں نے اس پر نفرین کی اور وہ اسی وقت مر گیا۔

چند لمحوں بعد انھوں نے ایک اور شخص کو (وہی حرکت کرتے) دیکھا اور اس پر بھی نفرین کی جس کے نتیجے میں وہ بھی ختم ہو گیا۔ پھر ایک اور شخص کی نوبت آئی اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔

پھر وحی نازل ہوئی اور کہا گیا کہ اے ابراہیمؑ! اگر ہم انھیں مار ڈالنا چاہتے تو انھیں پیدا ہی نہ کرتے۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ ہم انھیں معصیت کی مہلت دیتے ہیں تو یہ اس لیے ہے تاکہ ان کے صلب سے صالح فرزند وجود میں آئے۔ یا یہ کہ ممکن ہے انھیں ہوش آجائے اور وہ توبہ کرلیں۔ اے ابراہیمؑ! اگر ہم انھیں فرصت دیتے ہیں تو ان کے نابود ہوتے وقت بھی کوئی دیر نہیں لگتی اور انھیں سزا دینا ہمارے لیے آسان ہے اور ہم ان کا حساب کتاب کریں گے۔ [1]

یہ ایک ایسا حادثہ تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کے خیالات کا رُخ

[1] مجمع البیان۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۲۲

بدل دیا اور وہ سمجھ گئے کہ تمام جرائم اور معاشرے کی تمام تر خرابیاں خلاقِ عالم سے پوشیدہ نہیں ہیں اور اگر وہ گنہگاروں کو مہلت دیتا ہے تو بالآخر ان کا حساب بھی لیتا ہے لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر انھیں سزا دینے میں تاخیر کرتا ہے۔

آغازِ جنگ

حضرت ابراہیمؑ کی روح مضبوط تھی اور زندگی کے حوادث کے بارے میں ان کا عقیدہ محکم تھا اور انھوں نے پختہ اعتقاد کے ساتھ ناانصافی اور جرم اور مجسموں، چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کے خلاف نبرد آزما ہونے کا عزم کر لیا۔

جی ہاں! یہ دنیا کے حوادث ہی تھے جنھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو خداتعالیٰ کی وحدانیت اور بارگاہِ الٰہی کی عظمت کا معتقد بنا دیا اور جس کے نتیجے میں انھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک خداتعالیٰ کو فراموش نہ کیا اور جب تک ان کے مقدس بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی رہا انھوں نے وحدانیت کی تبلیغ اور خیانت اور ظلم کے خلاف معرکہ آرائی ترک نہ کی اور خداتعالیٰ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہے اور استقامت کو ہاتھ سے نہ دیا۔

تمام مصلحین کی طرح جو واقعی معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اصلاحات کی ابتدا اندرونی طور پر اور اپنے

نزدیک ترین افراد سے کی۔ سب سے پہلے وہ آزر کی طرف متوجہ ہوئے جو بت تراش بھی تھا اور بت پرست بھی اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنی کفالت میں لے رکھا تھا اور ان کا چچا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا:

"تم نے بتوں کو کیوں اپنا خدا قرار دے رکھا ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمھارے (ہم خیال لوگ) کھلی گمراہی میں ہو" [۱]

"تم کیوں اس بت کی عبادت کرتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی تمھیں کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ میں نے وہ باتیں سیکھی ہیں جو تم نے نہیں سیکھیں۔ میری پیروی کرو تاکہ میں تمھیں سیدھا راستہ دکھاؤں...... میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے......"

آزر نے کہا:

"کیا تم ہمارے خداؤں سے بیزار ہو؟ اگر تم اپنے الفاظ واپس نہیں لوگے تو میں تمھیں برا بھلا کہوں گا (مجھ سے بات مت کرو اور میرے سامنے سے چلے جاؤ) اور ایک طویل مدت تک مجھے چھوڑ دو" [۲]

---

[۱] سورۃ الانعام۔ آیت ۷۵ (اتتخذ اصناما آلھۃ.....)

[۲] سورۃ مریم۔ آیات ۴۳ تا ۴۶ (......قد جاءنی من العلم.... .....واھجرنی ملیا.......)

حضرت ابراہیمؑ نے آزر کو سمجھایا لیکن دیکھا کہ وہ ان کی نصیحتوں سے بے اعتنائی برت رہا ہے تاہم اس کی اس بے اعتنائی نے حضرت ابراہیمؑ کی روح کو زیادہ مضبوط کردیا اور وہ سمجھ گئے کہ انھوں نے اس کی دکھتی رگ کا پتا چلا لیا ہے اور اسے جتنا زیادہ چھیڑیں گے اتنا ہی مفید ہوگا اور اسی ذریعے سے وہ ان کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرلے گا۔

جی ہاں! خدا تعالیٰ کے تمام برگزیدہ بندوں کی طرح حضرت ابراہیمؑ بھی کسی کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے اور ان کی یہی کوشش تھی کہ آزر کی تمام ترہٹ دھرمی کے باوجود اس سے لطف اور مہربانی کا اظہار کریں۔ چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ ان کی جانب سے لاپروائی برت رہا ہے تو فرمایا:

"تجھ پر سلامتی ہو۔ میں خدا سے تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ وہ مجھ پر مہربان ہے"۔ [1]

حضرت ابراہیمؑ نے آزر کو نرمی سے سمجھایا اور چونکہ زبردستی اور ضد سے ان کے ہدف کے حصول میں تاخیر ہوتی تھی اور وہ آزر کو اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنے کا موقع بھی دینا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے اُسے مخاطب کرکے کہا:

"میں تم سے اور تمھارے خدا سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور

---

[1] سورۂ مریم۔ آیت ۴۷ (.... سلامٌ علیکَ.......)

اپنے خدا کو یاد کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں اپنے خدا کو یاد کرنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔" [1]

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اس طرزِ بیان و تفکّر سے آزر پر یہ بات عملاً ثابت کر دی کہ وہ اس کے خداؤں سے کوئی تعلّق نہیں رکھتے اور نہ تو بتوں کی پرستش کرتے ہیں نہ ہی ان چیزوں کی ان کے دل میں کوئی عزّت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے سادہ لفظوں میں اپنا موقف واضح کر دیا اور آزر وغیرہ کو بتا دیا کہ ہماری جنگ بتوں اور بت پرستی کے خلاف ہے اور ہم تمھیں نصیحت کرتے ہیں کہ ان چیزوں سے قطع تعلّق کر لو۔ انھوں نے خطرے کا اعلان کرنے کے بعد آزر اور اپنے دوسرے اقربا کو چند دنوں کے لیے ان کے حال پر چھوڑ دیا تاکہ وہ ان کے پروگرام پر غور کریں اور شاید خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں۔

ابراہیمؑ میدان میں

بُت تراش اور بت پرست آزر سے حضرت ابراہیمؑ کی گفتگو نے بابل میں ایک تذبذب کی صورت پیدا کر دی۔ ان کی یہ نئی باتیں ایک مُنھ سے دوسرے مُنھ تک پہنچنے لگیں اور ان کا ذکر محفلوں میں بھی بڑے زور و شور

---

[1] سورۂ مریم - آیت ۴۸ (...... واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ ......)

سے ہونے لگا۔

حضرت ابراہیمؑ کی آسمانی باتوں نے شہر بابل میں پارٹیاں پیدا کر دیں اور لوگ شخصی اغراض، مقامی سیاست یا حقیقت کی بنا پر آپ کے ارشادات کے بارے میں بحث مباحثے میں مشغول ہو گئے۔

اس ہنگامہ خیزی نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے اعلانیہ سرگرمیوں کی راہ ہموار کر دی اور انھیں یہ موقع مل گیا کہ گاہے گاہے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر شہر کے عوامی مراکز اور محفلوں میں شرکت کریں اور سادہ اور واضح الفاظ میں اپنا موقف بیان کریں۔

حضرت ابراہیمؑ تمام مجمعوں میں کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

"نکارہ مجسّمے قابلِ احترام نہیں ہیں اور ان کی کوئی قیمت نہیں۔ تم ان چیزوں کے سامنے کیوں سر جھکاتے ہو اور ان کی کیوں تعظیم کرتے ہو جن سے تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا؟ یہ چیزیں جن کے نہ کان ہیں نہ آنکھیں اور جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں تمھیں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں کہ تم انھیں سجدے کرتے ہو؟ کیا یہ مناسب ہے کہ بے کس قوم کی دولت خرچ کر کے تم یہ مجسمے بناؤ اور پھر ان کے گرد گھوم کر زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاؤ اور انھیں سجدے کرو؟ ان مجسموں کی کوئی قیمت نہیں۔ ان بے جان چیزوں کو جو کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا

سکتیں توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دینا چاہیئے اور روپیہ پیسہ رفاہِ عامہ پر خرچ کرنا چاہیئے"۔

نمرود کی حفاظت کا ادارہ

جوں جوں حضرت ابراہیمؑ کی الہامی باتوں نے بابل کی سرزمین کی ستم رسیدہ قوم کے دلوں پر اثر کرنا شروع کیا اور ان کے جاں بلب جسم میں نئی روح پھونکی اور انھوں نے یہ دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی کہ ایک مجاہد میدان میں آگیا ہے جو سر دھڑ کی بازی لگا کر نمرود کے مجسمے اور خدائی کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ نمرود کے درباریوں پر بھی اس صورتِ حال نے اپنا اثر چھوڑا۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغات کے نتیجے میں لوگ درباریوں سے نفرت کرنے لگے اور نمرود کی قدر ان کے دلوں میں گھٹ گئی اور اس کی عظمت اور شوکت میں بتدریج کمی ہونے لگی۔

حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغات لوہار کے ہتھوڑے کی طرح درباریوں کے دماغ پر برسنے لگیں اور انھیں پریشانی اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ وہ حیران تھے کہ اس مہلک بیماری کا کیا علاج کریں جو نمرود کی آمریت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے اور خود انھیں نیست و نابود کر رہی ہے۔

نمرود کی حفاظت کا ادارہ جس کے لیے ضروری تھا کہ بابل کے سربراہِ مملکت کو لاحق خطرات کا سدِ باب کرے فوراً حرکت میں آگیا۔

ان لوگوں نے ان تمام اشخاص کی طرح جن کے پاس اپنے دعوے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہوتی طاقت اور رعب سے کام لینے کی ٹھانی۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو نمرودی حکومت کے حکام کے سامنے پیش کیا جائے اور ان سے باز پرس کی جائے تاکہ اس طریقے سے انھیں خوفزدہ کیا جا سکے اور اس کے علاوہ وہ لوگوں کی نظروں سے بھی گر جائیں اور عاجز نظر آئیں۔

بلاشبہ جب خدا کسی نظام کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے کارکنوں سے عقل چھین لیتا ہے۔ کیا نمرود کے کارندے یہ نہیں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کو معاشرے میں اثر و رسوخ حاصل ہو چکا ہے اور کیا انھیں اتنی سمجھ نہیں تھی کہ جتنی ان پر سختی کی جائے گی اتنا ہی ان کی ہر دلعزیزی میں اضافہ ہوگا؟

معلوم ہوتا ہے کہ نمرود کی حکومت نے حضرت ابراہیمؑ بت شکن کے ظہور کے بعد اپنی مقبولیت کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور ان لوگوں کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ قوم میں کتنے ہر دلعزیز ہو چکے ہیں۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر انھیں حاضر کرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ جنھوں نے بت پرستی کے ماحول میں اور اپنے بت پرست چچا کی زیر سرپرستی اور عوامی خیالات کے دباؤ کے تحت تربیت پائی تھی اور کسی حد تک لوگوں کے خیالات کو بدل دیا تھا، نمرود کی حکومت کی عدالتی تحقیقات سے کیونکر خوفزدہ ہو سکتے تھے؟

حضرت ابراہیمؑ پر جنھوں نے بابل کے ستم رسیدہ لوگوں کا اندازِ فکر بدل دیا تھا نمرود کے درباریوں کی دھمکیوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ ؟

دربارِ نمرود

حضرت ابراہیمؑ، نمرود کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کا چچا آزر اور ان کی والدہ نونا بھی ان کے قریب کھڑے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اب نہ جانے کیا ہوگا۔ نمرود اپنے خطرناک مستقبل اور خدا کے نبی سے مقابلے اور اس کے انجام کے بارے میں متوحش ہے اور حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم کی بدحالی کی وجہ سے پریشان ہیں اور ان کی ماں کو اپنے بیٹے کے مارے جانے کی فکر ہے۔

اس محفل میں فقط آزر ایک ایسا شخص ہے جو بے فکر ہے لیکن اس کی بے فکری بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔

نمرود نے اسے مخاطب کر کے کہا: اے آزر! تم نے مجھے دھوکا دیا ہے اور اس لڑکے کو چھپائے رکھا ہے۔

آزر نے جواب دیا: یہ دھوکا اس کی ماں نے دیا ہے اور میں نے اس کی دیکھ بھال کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔

اگرچہ آزر نے تمام ذمے داری حضرت ابراہیمؑ کی ماں کی گردن پر ڈال دی لیکن دل ہی دل میں پریشان تھا کہ دیکھیے میرا انجام کیا ہوتا ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ نمرود حضرت ابراہیمؑ کی ماں سے

مخاطب ہے تو اس کی پریشانی دُور ہو گئی۔

نمرود نے کہا: "اے عورت! تُو نے اِس لڑکے کو کس وجہ سے چھُپا کر رکھّا تاکہ یہ بڑا ہو جائے اور پھر قوم کے خداؤں اور معبودوں کے خلاف جسارت آمیز باتیں کرے؟"

نونا نے جواب دیا: "میں نے یہ کام قوم کی حالت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔"

نمرود نے پوچھا: "تم نے کیا بات مدِّنظر رکھّی؟"

نونا نے کہا: "میں نے دیکھا کہ تم اپنی رعایا کے بچّوں کو قتل کرا رہے ہو اور وہ وقت قریب ہے جب بابل کی قوم کی نسل کا خاتمہ ہو جائے تب میں نے خیال کیا کہ اگر یہ لڑکا وہی ہے جو نمرود کی حکومت کا تختہ اُلٹ دے گا تو میں اسے اس کے سپرد کر دوں گی تاکہ اسے قتل کر دے لیکن اگر وہ لڑکا کوئی اور ہے تو پھر میرے نورِ نظر کو میرے لیے زندہ رہنا چاہیئے ۔[1] اب میرا بیٹا تمھارے سامنے ہے اور تم اس کے ساتھ جو جی چاہے کرو۔"

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود

حضرت ابراہیمؑ، نمرود کے قبضے میں ہیں اور وہ ان کے ساتھ جو اس کا جی چاہے کر سکتا ہے۔ ایک نوجوان جس کی عمر ۱۵-۱۸ سال کے

---

[1] بحار الانوار۔ جزو ۱۲ ۔ صفحہ ۳۲

درمیان ہے اور جس کی حمایت فقط اس کی ماں کر رہی ہے نمرود کے اختیار میں ہے۔ اب یہ اس کی مرضی پر ہے کہ اسے قتل کر دے، جلاوطن کر دے، جیل میں ڈال دے یا زندہ جلا دے......

تاہم نمرود لوگوں کے خیالات اور قوم میں اپنے اثر و رسوخ کا اندازہ لگا رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ اپنا رسوخ قائم رکھے اور عوام کے خیالات کو خود اپنے فائدے کی راہ پر لگائے۔

جی ہاں! نمرود نے سب بے دلیل لوگوں اور آمروں کی طرح قانون کی لاٹھی، طاقت اور ساز باز کا سہارا نہیں لیا بلکہ حضرت ابراہیم کا سامنا عقل اور انسانیت کے راستے سے کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے وہ اس طریقے سے اپنے مخالف نوجوان سے بازی جیت جائے۔

نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے کہا: "یہ خدا کون ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہو؟"

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

"میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار دیتا ہے۔"

نمرود نے کہا: "یہ کام میرے لیے آسان ہے۔ میں زندہ بھی کرتا ہوں اور مار بھی دیتا ہوں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا: "تم یہ طاقت کیونکر استعمال کر سکتے ہو؟"

نمرود نے حکم دیا کہ ایک شخص کو جسے پھانسی کی سزا دی جا چکی تھی آزاد کر دیا جائے اور ایک بے گناہ شخص کو سولی پر چڑھا دیا۔ پھر کہا:

دیکھ لو میں نے ایک شخص کو زندہ کر دیا اور دوسرے کو مار دیا۔ [۱]

حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کا مقصد واضح نہیں ہوا۔ زندہ کرنے اور مار دینے سے ان کی مراد جان دینا اور جان لینا تھی لیکن نمرود نے چالاکی کی ہے اور اصل معاملہ لوگوں کی نگاہوں میں مشکوک کر دیا ہے چنانچہ انھوں نے کہا:

"میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تم خدا ہو تو اسے مغرب سے نکالو اور اس کا راستہ تبدیل کر دو"۔ [۲]

حضرت ابراہیمؑ کی نئی فرمائش سن کر نمرود پر موت جیسی خاموشی طاری ہو گئی اور وہ اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

نمرود نے دل میں سوچا: ایک ایسا نوجوان جس کے پاس نہ اقتدار ہے نہ مال و دولت اور نہ ہی کوئی اسے سہارا دینے والا ہے میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لشکر اور اسلحہ میرے اختیار میں ہے۔ قوم کا خزانہ جس میں روزانہ اضافہ ہوتا رہتا ہے میرے پاس ہے۔ ورزشی لوگ اور ملازمین میرے فرمانبردار ہیں۔ جب مجھے اتنی قوت حاصل ہے تو ابراہیمؑ کے بس

---

[۱] سورۃ البقرۃ۔ آیت ۲۵۸ (..... قال انا احیی وامیت .....)
منہج الصادقین۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۰۱۔ لیکن تاریخ طبری کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے کہ ان دونوں افراد کو پھانسی کی سزا دی جا چکی تھی۔

[۲] سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۵۸ (........ قال ابراھیم فان اللہ یأتی بالشمس من المشرق.......)

ہیں کیا ہے؟ وہ کیا کر سکتا ہے؟

ابراہیم(ع) کسی طور بھی اس قابل نہیں کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکے بہتر یہی ہے کہ میں اُسے کسی بہانے آزاد کر دوں۔ بعد میں اگر اس کے طرفداروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا یا اس نے بہت سی دولت جمع کر لی تو اسے ایک ادنیٰ اشارے سے نیست و نابود کر دوں گا۔

نمرود کی اس سوچ نے آزر کی وساطت اور حضرت ابراہیمؑ کی ماں کی درخواست اور دوسرے فطری اقدامات کے ساتھ مل کر حضرت ابراہیمؑ کی آزادی کی راہ ہموار کر دی۔

ٹھوس تبلیغات

حضرت ابراہیمؑ، نمرود کے دربار سے لوٹے تو بت پرستی اور بتوں کے احترام کے خلاف ان کا جوش و خروش کہیں زیادہ بڑھ چکا تھا اور وہ اپنے مشن کے سلسلے میں بہت جری ہو گئے تھے چنانچہ وہ محکم اور آہنی ارادے کے ساتھ ان خرافات کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک حضرت ابراہیمؑ کا سابقہ نمرود سے نہیں پڑا تھا انھیں یہ یقین نہیں تھا کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس نے قوم کی کمزوری، بدحالی اور بیچارگی سے کتنا فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن اب جب وہ نمرود کے دربار میں پہنچے تو انھیں پتا چلا کہ بابل کے لوگ

کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور یہ شہوت، لذّت اور خیانت کا مجسّمہ کس فکر میں ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا تبلیغی کام ایک دفعہ پھر شروع ہو گیا لیکن اس دفعہ ان کا تبلیغی پروگرام سمعی اور انتقادی حدود سے بڑھ کر بصری اور استدلالی شکل اختیار کر گیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ نمرود کی آمرانہ حکومت نے لوگوں کی سانس کو سینوں کے اندر قید کر رکھا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اس کے خلاف تنقید اور کنائے سے بڑھ کر بات کی جائے اور لوگوں کو سمعی تبلیغات کے ذریعے حقیقت سے آگاہ کیا جائے حتیٰ کہ اس کی آمریت کی مخالفت کا ریکارڈ ٹوٹ جائے۔ اس کے بعد انھوں نے بصری تبلیغات شروع کیں اور جب لوگوں کے سوچنے کی سطح اور بلند ہو گئی تو پھر اس کے خلاف استدلال اور منطق کے ذریعے جہاد شروع کیا۔

اگرچہ بابل کے خوف، دہشت گردی اور اضطراب میں ڈوبے ہوئے ماحول نے لوگوں کی خود اعتمادی اس حد تک سلب کر لی تھی کہ کوئی شخص حضرت ابراہیمؑ کے ارشادات سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور جو کوئی ان کی باتیں سنتا اسے سخت سزا دی جاتی تھی لیکن حضرت ابراہیمؑ کے لیے ضروری تھا کہ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کریں اور ان کے تبلیغی کام میں جو رکاوٹیں ہوں انھیں دور کریں اور قوم کو حقیقت سے آگاہ کریں تاکہ لوگوں کی سوچ بچار کی سطح بلند ہو جائے اور وہ دوبارہ نمرود کی غلامی قبول نہ کریں اور آزادانہ زندگی بسر کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بھری اور ٹھوس تبلیغات کی ابتدا اس انداز سے کی۔

بابل کے بت شکن اپنے چچا آزر کے بت تراشی کے کارخانے میں داخل ہوئے اور دوسرے شاگردوں کی طرح ایک بُت اُٹھالیا اور بازار کو روانہ ہو گئے تاکہ اسے بیچیں۔ انھوں نے بُت کے گلے میں ایک رسّی باندھی اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور آواز لگائی۔

"آؤ! مجھ سے یہ بُت خرید لو جو نہ کوئی فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے!" [1]

وہ بتوں کو پانی اور کیچڑ میں ڈبوتے اور کہتے: "پانی پیو۔ باتیں کرو۔ تم اہلِ بابل کے خدا ہو!"

جو لوگ خوف اور دہشت کے ماحول سے متاثر تھے اور ڈر کے مارے ان کے اعضا کانپ رہے تھے انھوں نے آزر کو اطلاع دی کہ ابراہیمؑ کا فعل اس کے اور خود تمھارے لیے خطرناک ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تم اسے اس روش سے باز رکھو۔

آزر نے حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے کہا: اے ابراہیم! یہ طریقہ جو تم نے اختیار کر رکھا ہے تمھارے لیے قطعاً مناسب نہیں۔ تم نے میری زندگی معرضِ خطر میں ڈال دی ہے اور ممکن ہے کہ عنقریب میرا مال اسباب ضبط کر لیا جائے اور مجھے کال کوٹھری میں ڈال دیا جائے۔ میں تمھارے

---

[1] تاریخ الکامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۵

بھلے کے لیے کہتا ہوں کہ مجسمے کی توہین سے باز رہو۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ شہنشاہِ ایران کے مجسمے کی توہین کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اور اس کے بدلے تمھیں کتنے سال جیل کی ہوا کھانی پڑے گی؟

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا: میں جیل جانے، سولی پر لٹکنے یا ملک بدر ہونے سے نہیں ڈرتا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو چیز نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پانی تک نہیں پی سکتی، بات نہیں کر سکتی وہ نہ تو خدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی احترام اور پرستش کے قابل ہے اگر ان لوگوں کے پاس اس منطقی استدلال اور اس آسمانی فیصلے کے مقابلے میں کوئی منطق یا کوئی استدلال ہے تو اسے لے آئیں تاکہ میں ان کا کہنا مان لوں اور اگر وہ یہ قدرت نہیں رکھتے تو چونکہ میں نے حق و صداقت کو سمجھ لیا ہے اس لیے میں اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں اور اسے اپنائے رکھوں گا خواہ مجھے اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

پہلی سزا

آزر کو پریشانی لاحق ہو گئی۔ ایک طرف سے تو نمرود کے درباری اس پر دباؤ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی سرگرمیوں کی روک تھام کرے اور دوسری طرف سے کچھ ڈرپوک لوگ اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ ہر گھڑی اسے ڈراتے تھے اور نمرود کی جانب سے اذیت رسانی، قید، جلاوطنی اور قتل کا خوف دلاتے تھے

اور کہتے تھے کہ اگر یہ صورت قائم رہی تو تمھیں پاگل قرار دے دیا جائے گا اور تمھاری املاک ضبط کر لی جائے گی یا اس سے بھی زیادہ گہری سازش تمھارے خلاف کی جائے گی اور تم پر مختلف الزامات لگا کر گرفتار کر لیا جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم ابراہیم کے طور طریقوں میں اعتدال پیدا کرو۔

اس ذہنی پریشانی کے معاملے میں آزر کی کیفیت حضرت ابراہیمؑ کے بالکل برعکس ہے جن کا فولاد جیسا مضبوط دل کسی ناگہانی صورتِ حال سے نہیں گھبراتا۔

آزر نے سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ ابراہیمؑ کو بت بیچنے سے روک دیا جائے اور اسی ایک سزا کے ذریعے اُن کے خیالات کو محو کر دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید زندگی میں ایک شکست سے دوچار ہونے سے اور تبلیغاتی حربے چھن جانے سے وہ بتوں کا خیال چھوڑ دیں گے اور اپنے آپ کو اور اپنے چچا اور دوسرے عزیزوں کو بربادی سے دوچار نہیں کریں گے۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ کو بُت بیچنے سے روک دیا گیا اور یوں بصری تبلیغ کا حربہ ان کے ہاتھ سے چھن گیا۔ ظاہری صورت میں چاہیئے تھا کہ ان کے چچا کی مخالفت انھیں ایک ناقابلِ تلافی شکست سے دوچار کر دے اور وہ ماحول کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ ان کے چچا کا خیال تھا کہ شاید حضرت ابراہیمؑ یہ سوچیں کہ جس سرزمین میں

میرے پاس نہ لشکر ہے نہ اقتدار ہے نہ سرمایہ ہے اور نہ ہی جاں نثار ہم خیال لوگ ہیں میرے لیے اتنے شدید اقدامات کرنا مناسب نہیں لیکن حضرت ابراہیمؑ تو پیدا ہی معرکہ آرائی کے لیے کیے گئے تھے۔ وہ اس لیے وجود میں آئے تھے کہ نمرودیوں کے ظلم اور خونخواری کے محل کو زمیں بوس کر دیں۔ غمزدہ والدین کی فریاد کو پہنچیں اور مظلوم قوم کو ظلم و ستم کے شکنجے سے نجات دلائیں۔

بلاشبہ خاموشی اور تسلیم کے الفاظ حضرت ابراہیمؑ کی ڈکشنری میں موجود نہ تھے اور زندگی کی مشکلات اور معاشرے کے حادثات انھیں ان کے مقصد سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔ انھوں نے مشکلات اور راستے میں حائل رکاوٹیں دیکھ کر سمجھ لیا کہ انھوں نے مرض کی تشخیص کر لی ہے اور جو مشکلات ان کے راستے میں پیدا کی جارہی ہیں وہ اس امر کی دلیل ہیں کہ ان کی معرکہ آرائی مؤثر ہے اور ان کی تبلیغات جاری رہنے سے مرض میں شدّت پیدا ہو رہی ہے اور بتدریج یہ جان لیوا مرض ظلم و ستم کے نابود ہونے کا ذریعہ بن جائے گا اور بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

جی ہاں! نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی مساعی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ انھوں نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ اور زیادہ وسیع کر دیا اور فیصلہ کیا کہ تمام تردبائو اور سختی کے باوجود وہ اپنے حملے کا رخ بڑے بت اور بتخانے کی جانب پھیر دیں گے اور اس سلسلے میں اس قدر تگ و دو

کریں گے کہ یا تو وہ خود جام شہادت نوش کرلیں اور یا بابل کی سرزمین کو بُت پرستی، آمریت اور جبر سے پاک کردیں۔

جوشیلی تقریر

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے حملوں کا رُخ بُت خانے، بڑے بُت اور بُت پرستوں کے اکابر کی جانب موڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے بعد ان کی ملاقات جب بُت پرست یا ان کی جماعت سے ہوتی وہ ان سے کہتے:

"تم بتوں کو کیوں پوجتے ہو؟ ازلی خدا کو چھوڑ کر تم جھوٹے خداؤں کی جانب کیوں مائل ہو گئے ہو؟ خداوندِ عالم کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" [۱]

حضرت ابراہیمؑ کی منطق کے جواب میں بُت پرست ان تمام لوگوں کی طرح جن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی دھونس اور دھمکیوں سے کام لیتے اور انھیں مار ڈالنے کی دھمکی دیتے۔ تاہم حضرت ابراہیمؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

"میں تمھارے ان خداؤں سے خائف نہیں ہوں جنھیں تم نے خدائے واحد کا شریک ٹھہرا رکھا ہے میرا خدا جو کچھ کرنا چاہے وہ ہو جاتا ہے اور اس کا

۱۔ سورۃ الصّٰفّٰت۔ آیات ۸۶-۸۷

علم ہر چیز پر حاوی ہے [۱] لیکن میں اس کے علم اور ارادے کے تابع ہوں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے موجود کے آگے نہیں جھکتا۔

مجھے تم لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ تم بت کی عبادت پر کمربستہ ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس بنا پر بت کی عبادت کرنے لگے ہو اور نمرود کے مجسّمے کے آگے کیوں سر جھکاتے ہو۔"

بت پرستوں نے جواب دیا: "چونکہ ہمارے آباؤ اجداد بتوں کی پرستش کرتے چلے آئے ہیں اس لیے ہمیں بھی اس عمل کی عادت پڑ گئی ہے۔ تم سچ سچ بتاؤ کیا تم ہم سے شوخی کر رہے ہو اور ہمارا مذاق اڑا رہے ہو یا کوئی سچی اور پسندیدہ چیز لائے ہو۔" [۱]

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

میں شوخی اور مذاق کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں کہتا ہوں تمھاری باتیں بے فائدہ ہیں اور حقیقی خدا وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں خود اسی کا ماننے والا ہوں۔ میں تمھارے خداؤں کے خلاف ہوں۔ میرے خدا نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔ مجھے کھانے کو دیتا ہے۔ جب کبھی میں بیمار پڑوں مجھے شفا بخشتا ہے اور مجھے موت دیتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے اور مجھے

---

[۱] سورۃ الانعام کی ۸۱ ویں آیت سے اقتباس (...... ولا تشرکون بہ ......)

امید ہے کہ وہ مجھے قیامت کے دن بخش دے گا۔ [۱]

تمھارے خدا روزی نہیں دیتے [۲] یہ تمھیں کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ ان میں تمھارے لیے کوئی منفعت نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو افادیت ایک عام انسان میں موجود ہوتی ہے ان بتوں میں وہ بھی موجود نہیں۔ حیرت ہے کہ پھر بھی تم ان کی عبادت کرتے ہو اور انھیں اپنا خدا مانتے ہو۔

بابل کا پُر اضطراب ماحول

بابل کی سرزمین عجیب اضطراب میں مبتلا ہے۔ موت کا ہیولی سب کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ دہشت گردی اور خوف کے ماحول نے لوگوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔

ایک طرف تو یہ جرائم حضرت ابراہیمؑ کو پریشان کیے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ قوم کی کوتاہ نظری اور اندھا دھند تقلید کی وجہ سے بے حد ملول ہیں۔ وہ حیران ہیں کہ آخر آدمی میں اتنا شعور کیوں پیدا نہیں ہوا کہ وہ بتوں کو سجدہ نہ کرے اور ناکارہ مجسّمے کو قابل احترام نہ سمجھے؟ وہ سوچتے ہیں کہ آخر ان کی آسمانی باتیں نمرودیوں کے دماغ پر کیوں اثر نہیں کرتیں۔

---

[۱] سورۃ الشعراء۔ آیات ۷۶ تا ۸۲ سے اقتباس

[۲] سورۃ العنکبوت۔ آیت ۱۷

سچ تو یہ ہے کہ شاید ایرانیوں کو یہ حق پہنچتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کا کہا نہ مانیں اور نہ صرف یہ کہ کہا نہ مانیں بلکہ ایک قدم آگے بڑھا کر ان کا مذاق اڑائیں اور انھیں برا بھلا کہیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جونہی وہ حضرت ابراہیمؑ کی ہمنوائی کریں گے انھیں سولی پر لٹکا دیا جائے گا یا جلاوطن کر دیا جائے گا یا جیل میں ٹھونس دیا جائے گا اور یہی وہ خوف تھا جس نے ان کے خیالات پر پہرے لگا رکھے تھے اور ان کی سانس کو سینوں میں بند کر رکھا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کو اس بات کا دکھ تھا کہ قوم کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے اور نمرود کی مطیع ہوگئی ہے اور اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ لوگوں نے اپنے معبودِ حقیقی پر عقیدہ اور ایمان بھی اس کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور اس قابل نہیں رہے کہ اپنے دلی خیالات کھل کر بیان کر سکیں۔

سچ تو یہ ہے کہ قوموں کا خوفزدہ ہونا، ان کی کوتاہ بینی اور اندھا دھند تقلید وہ بڑے دکھ ہیں جو راہِ حق کی جانب رہبری کرنے والوں کو بے چین رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ قوم کو روشن خیال بنانا، اندھی تقلید سے جنگ کرنا اور شجاعت کی روح کو بیدار کرنا اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھتے ہیں۔

وہ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ انسان کو یہ باور کرائیں کہ:
تو انسان ہے اور زندگی کا حق رکھتا ہے اور یہ لازم ہے کہ تو جس

طرح آزاد پیدا کیا گیا ہے اسی طرح دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی آزاد ہو اور مجسمے اور بُت کی پرستش سے باز رہے۔ تجھے چاہیئے کہ انسانیت اور غیر فانی خیالات کی جانب اپنا قدم بڑھائے۔

راہِ حق کے رہنما ہمیشہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ انسان پر واضح کر دیں کہ:

'ذلت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے'

اپنے عالی مقصد کے لیے آہنی عزم، ایثار اور ثابت قدمی کی بدولت حضرت ابراہیمؑ نے ایک بہت ہی زوردار فیصلہ کیا۔ انھوں نے طے کیا کہ بتوں اور بت خانے کے خلاف جنگ کریں اور نمرودیوں کے کعبۂ مقصود کو ڈھا دیں اور پہلا مورچہ فتح کرنے کے بعد لڑائی کا رخ نمرود کے مظاہر کے خلاف تبلیغ کی طرف اور پھر خود نمرود کی طرف موڑ دیں۔ درحقیقت وہ چاہتے تھے کہ بُت پرستی سے شروع کریں اور آخر کار ان کے خدا کو سرنگوں کر دیں تاکہ قوم کو ظلم وستم کے بوجھ سے نجات دلا سکیں۔

عیدِ نوروز

حضرت ابراہیمؑ کی عملی تبلیغ اور منطقی استدلال نے بابل کے لوگوں پر رتی بھر اثر نہ کیا اور وہ اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ خلاّقِ عالم کی پرستش کریں اور نمرود اور اس کے مجسّمے کی پرستش سے باز رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے بتوں اور بُت خانے پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے طے کیا کہ اگر خدا تعالیٰ کی مدد میرے ساتھ نہ ہوئی تو

مجھے اس معرکے میں اپنی جان کی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور میں پہلے مورچے میں ہی بتوں کو نیست و نابود کرنے کی خاطر اپنی جان فدا کر دوں گا۔

عیدِ نوروز کا دن جب ایرانی بابل شہر کو چھوڑ دیتے تھے اور بتوں اور بت خانے بھول بھال کر سیر سپاٹے کے لیے جنگل میں چلے جاتے تھے آ پہنچا۔ بُت خانے میں انواع و اقسام کے ایسے کھانوں کے انبار لگ گئے جو لوگ بظاہر تبرک کے طور پر اور بعض اوقات بتوں کو کھلانے کے لیے لاتے تھے۔ [۱]

بت خانے کے ملازمین نے کھانے اور بتوں وغیرہ کو چھوڑا اور گھومنے پھرنے کے لیے جنگل میں جا پہنچے۔

موقع شناس حضرت ابراہیمؑ نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا اور فیصلہ کیا کہ جب شہر اور بت خانہ لوگوں سے خالی ہو جائیں گے تو وہ بت پرستوں کے خلاف ایک خطرناک منصوبے پر عمل کریں گے اور موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔

بت پرستوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بھی سیر تفریح کے لیے ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن انھیں تو اپنے منصوبے پر عمل کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے جواب دیا: "میں تھکا ہوا ہوں اور شہر میں ہی آرام کرنا چاہتا ہوں۔" لیکن دل ہی دل میں کہہ رہے تھے:

تمھارے شہر سے نکلتے ہی میں تمھارے بت خانے کے خلاف

---

[۱] تاریخ طبری۔ جلد ا صفحات ۱۶۶-۱۶۷ اور روضۃ الصفا۔ جلد ا۔ صفحہ ۱۰۳

اپنے خطرناک منصوبے پر عمل کروں گا تاکہ تمھارے بُت اور بُت خانہ نیست و نابود ہو جائیں اور تمھارا کعبۂ مقصود معدوم ہو جائے اور تم یوں ان ناکارہ چیزوں کے غلام نہ بنے رہو۔

بُت اوندھے مُنہ گر گئے

لوگ سیر و تفریح کے لیے روانہ ہو گئے اور ان کے جاتے ہی حضرت ابراہیمؑ مضبوط دل اور محکم ارادے کے ساتھ بت خانے میں داخل ہوئے۔ وہ کھانا لا لا کر بتوں کے سامنے رکھتے اور کہتے: "کھانا کھاؤ! پانی پیو!" لیکن بتوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اچانک لکڑیاں پھاڑنے والا کلہاڑا اٹھایا اور تمام چھوٹے بتوں کو یکے بعد دیگرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر آپ نے کلہاڑا بڑے بُت کے کندھے پر لٹکا دیا (یہ بُت سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دو قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے)[1] ایسا کرنے سے حضرت ابراہیمؑ کا مقصد یہ تھا کہ جب بُت پرست بُت خانے میں آئیں تو اس واقعے سے سبق حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ بُت خانے میں ایک بہت بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوا ہے اور بڑا بُت بھی اس معاملے سے لاتعلق نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر منہج الصادقین۔ جلد ۶۔ صفحہ ۷۷

عیش و عشرت کا تاوان

بابل کے لوگ جنگل کی لطیف ہوا کا لطف اٹھانے اور لذیذ کھانے کھانے میں مشغول تھے اور اپنے بتوں اور بت خانے کی طرف ان کا خیال بھی نہ گیا تھا۔ وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کے بتوں پر کیا افتاد آپڑی ہے اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے سیر میں مصروف تھے اور پھولوں کی خوشبو سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لیکن عیش و عشرت کا ستارہ چند لمحوں سے زیادہ نہ چمکا اور جلد ہی یہ خوشی رنج کے پہاڑ میں تبدیل ہوگئی۔ بابل کی سرزمین کو غم واندوہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کٹر لوگ سوچ رہے ہیں کہ ان کے بہترین فرزند دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور اس عظیم مصیبت کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔

جی ہاں! عیش و عشرت اور معبود کو ترک کرنے کا بدلہ انھوں نے پا لیا۔ جب وہ بابل شہر میں واپس آئے تو سیدھے بت خانے گئے تاکہ نئے سال کی ابتدا میں بتوں سے تجدید عہد کریں اور تبرک کے طور پر لائے گئے کھانے اپنے استعمال میں لائیں لیکن جونہی وہ بت خانے میں داخل ہوئے ان پر غم واندوہ کے بادل چھا گئے۔ وہ کہنے لگے:

"ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ وہ شخص یقیناً ظالم ہے!"[1]

---

[1] سورۃ الانبیاء۔ آیت ۶۱ (...... من فعل ھذا......)

بلا شبہ بتوں اور بُت خانے کے دشمن کا مقدس چہرہ ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے :

"ہم نے سنا ہے کہ ابراہیم (ع) نامی ایک نوجوان ہے جو بتوں کو بُرا بھلا کہتا رہا ہے [۱] یقیناً یہ جسارت اسی نے کی ہے اور اسے ضرور سزا ملنی چاہیئے۔"

نمرودیوں نے بہت سوچا کہ حضرت ابراہیم ؑ کو کس بہانے سے گرفتار کریں اور بتوں کے ساتھ زیادتی کرنے کے جرم میں مقدمہ چلا کر سزا دیں ان کے پاس اس واقعے کا کوئی گواہ نہ تھا اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ جرم ثابت ہوئے بغیر انھیں سزا کا مستوجب قرار دیں۔ [۲]

درحقیقت اپنی تمام تر خونخواری اور آمریت کے باوجود نمرودی اس بات پر تیار نہ تھے کہ قانون کو نظرانداز کر دیں اور کسی کمزور شخص کو بھی جرم ثابت ہوئے بغیر سزا دیں۔ پھر حضرت ابراہیم ؑ تو بابل کی سوسائٹی کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے اور بتوں اور بت خانے کی مخالفت کے لیے مشہور تھے۔

جی ہاں! نمرودیوں کے اخلاق ابھی اتنے پست اور کمزور نہیں ہوئے تھے کہ لوگ اس بات پر تیار ہوں کہ روپیہ پیسہ لے کر یا وعدہ وعید کی بنا پر سازشیں کریں اور جھوٹی گواہی دیں۔ نمرودیوں نے فیصلہ کیا

---

[۱] سورۃ الانبیاء ۔ آیت ۶۲ (...... یقال لہ ابراھیم.....)

[۲] طبری ۔ جلد ۱ ۔ صفحہ ۱۶۷

کہ حضرت ابراہیمؑ کو لوگوں کے بیچ میں سے گزار کر عدالت میں لے جایا جائے ان کا خیال تھا کہ ممکن ہے کسی نے انھیں بُت توڑتے دیکھا ہو اور وہ گواہی دے سکے کہ بُت حضرت ابراہیمؑ نے ہی توڑے ہیں۔ تاہم شہر کے لوگوں میں سے کسی نے بھی ان کے خلاف گواہی نہیں دی۔

شہر کے تقریباً سبھی لوگ سیر سپاٹے کے لیے چلے گئے تھے اور اگر کوئی شہر میں رہ بھی گیا تھا تو اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بُت توڑتے نہیں دیکھا تھا اور اگر کسی کو اس بات کا علم بھی تھا تو وہ ان کے خلاف کچھ بھی کہنے پر آمادہ نہ ہوا۔

اگرچہ نمرودی بڑے کٹّر بُت پرست تھے لیکن ان کا تعصّب حماقت اور جنون کی حد تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ اپنے مخالف کے خلاف بلا وجہ گواہی دیتے اور اسے نقصان پہنچانے کے منصوبے بناتے۔

ابراہیمؑ کی شجاعت

نمرودیوں نے حضرت ابراہیمؑ کو عدالت میں پیش کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید ان کی باتوں سے کوئی شہادت میسّر آجائے اور ان کی ثابت قدمی، آزاد منشی، نورانی خیالات اور قلبی ایمان کی بدولت انھیں کوئی ایسا نکتہ ہاتھ لگ جائے جس کی بنا پر وہ ان پر فردِ جرم عائد کر سکیں۔

نمرودیوں نے حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک تم نے کیا ہے؟

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

تم لوگ جو بتوں کو پوجتے ہو اور انھیں خدا مانتے ہو انہی سے پوچھو کہ یہ عمل کس نے انجام دیا ہے۔ بڑے بُت سے پوچھو کہ یہ جسارت کس نے کی ہے۔ درحقیقت اگر یہ بات کر سکتا ہے تو یہ حرکت اسی نے کی ہے کیونکہ لکڑیاں پھاڑنے والا کلہاڑا اس کے کندھے پر لٹکا ہوا ہے اور یہ اس کے جرم کی علامت ہے۔

نمرودی، حضرت ابراہیمؑ کے الفاظ سُن کر ششدر رہ گئے جواب میں کیا کہتے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی تمام تر شجاعت اور دلاوری کے باوجود حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑنے کا اعتراف کیوں نہ کرلیا؟

حضرت ابراہیمؑ کا اصلی مقصد بتوں اور بُت خانے کی توڑ پھوڑ نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ بتوں کو توڑنے کا اعتراف کر لیں گے تو انھیں فوراً ختم کر دیا جائے گا اور اس طرح ان کا اصلی مقصد جو بابل کے لوگوں کے خیالات روشن کرنا، نمرود کی آمرانہ حکومت کو ختم کرنا اور لوگوں کو ظلم وستم سے نجات دلانا تھا ادھورا رہ جائے گا اور چونکہ ان کا مقصد بہت بلند تھا اور اس کے حصول

کے لیے انھیں اور زیادہ تکلیفیں اٹھانا تھیں اس لیے انھوں نے سوچا کہ ان کی شجاعت اور شہامت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بالکل پرسکون اور مطمئن رہیں تاکہ اپنی ہستی کی حفاظت کریں اور اپنے مقصد سے ایک قدم قریب تر ہو جائیں۔

نمرودیوں نے اپنے دلوں کو ٹٹولا اور کافی غور و فکر کے بعد ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"ہم ظالم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بُت نہیں بول سکتے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں کے خیالات روشن ہونے سے فائدہ اٹھایا اور ایک دفعہ پھر علانیہ اور بغیر کسی خوف کے کہا:

"تم لوگ خدائے واحد کے علاوہ ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو جو تمھیں کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتیں؟ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں انھیں اچھا نہیں سمجھتا اور ان سے نفرت کرتا ہوں تم خود ذرا اپنی باتوں پر غور کرو۔ ممکن ہے کہ حقیقت تمھاری سمجھ میں آجائے۔"

ابراہیمؑ کو جلا دیا جائے

نمرودی عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف کوئی مقدمہ تیار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ گواہی دینے والا کوئی نہ تھا۔ ان

کی باتیں اِن کے دلوں میں اتر تی جاتی تھیں اور ان کا نتیجہ مجسّمے کی پرستش اور نمرود کے احترام کا خاتمہ تھا۔

نمرودیوں نے حضرت ابراہیمؑ کی سرکوبی کرنے اور انھیں خاموش کرنے کے لیے تمام بے دلیل لوگوں کی طرح طاقت، دھمکی اور دھونس کا سہارا لیا اور جب طاقت کا مظاہرہ ہو تو لازم ہے کہ منطق، استدلال اور قانون مٹ جاتے ہیں اور پاؤں تلے مسلے جاتے ہیں کیونکہ کہا گیا ہے کہ طاقت اور قانون دو ایسے دشمن ہیں جن کے مابین کبھی صلح نہیں ہو سکتی اور وہ کبھی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے اور اگر طاقت ایک دروازے سے داخل ہو تو ضروری ہے کہ قانون دوسرے راستے سے بھاگ جائے۔

بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلا دیا جائے اور ان کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے تاکہ ستم زدہ اور مظلوم لوگ دیکھ لیں کہ جو شخص نمرود کے خلاف بغاوت کرے اس کا حشر کیا ہوتا ہے اور پھر کسی کو خداؤں کے خلاف جنگ کرنے یا اپنے حقوق کا دفاع کرنے کا خیال تک نہ آئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کی تجویز بجلی کی سی تیزی کے ساتھ منظور ہوگئی اور طے کیا گیا کہ جب تک آگ کے انتظامات مکمّل نہ ہو جائیں حضرت ابراہیمؑ کو قید میں رکھا جائے۔ [۱]

---

[۱] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۰۴

چنانچہ انھیں سات سال کے لیے قید کر دیا گیا تاکہ ایندھن جمع کر لیا جائے اور پھر انھیں جلایا جائے اور اس دوران میں وہ لوگ ان کی تقریروں کے اثرات سے بھی محفوظ رہیں۔ [1]

مذکورہ بالا فیصلے کے مطابق نمرود کے دربار سے ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس کا متن یہ تھا :

"اعلیحضرت نمرود نے فیصلہ کیا ہے کہ بتوں اور بت خانے کے سب سے بڑے دشمن کو جلا دیا جائے تاکہ آئندہ کسی کو بتوں سے جنگ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے حکم دیا ہے کہ بابل کے تمام شہری نی کس ایک خروار جلانے کی لکڑی اسٹور میں جمع کرا دیں اور اس کی رسید حاصل کر لیں۔" [2]

وزیرِ دربار ....

مندرجہ بالا اعلامیہ جاری ہونے کے بعد نمرود کے دربار کے چاپلوسوں اور خوشامدیوں نے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لیے لکڑیاں نذر کرنی شروع کر دیں۔ جن لوگوں کے خلاف عدالتوں میں مقدمے چل رہے تھے، جو لوگ اپنے ماتحتوں پر دھونس جمانا چاہتے تھے، جو لوگ کوئی اسامی یا عہدہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ

---

[1] طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۱۸

[2] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۰۴

سب لکڑیاں جمع کرنے اور انھیں حکومت کو پیش کرنے میں لگ گئے کچھ سادہ لوح لوگ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی اس کام میں جُت گئے۔

سادہ لوحی کا معاملہ یہاں تک آ پہنچا کہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لیے لکڑیوں کی نذر ماننے لگے۔ مثلاً جن لوگوں کا کوئی عزیز بیمار ہوتا وہ منّت مانتے کہ اگر مریض تندرست ہوگیا تو وہ حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لیے اپنی لکڑی پیش کریں گے۔ [1]

جی ہاں! یہ سادہ لوح لوگ ہی ہوتے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے دوسروں کے خیالات کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ لوگوں کی اسی سادہ لوحی اور کوتاہ بینی اور نمرودیوں کی عوام فریبی نے مل کر بابل کے لوگوں کی غلامی کے اسباب فراہم کر دیے۔

دراصل لوگوں کے خیالات کو تقویت پہنچانا اور روشن کرنا جو کہ انبیائے کرامؑ کا اصلی ہدف ہے بے شمار فوائد کا حامل ہے اور ان فوائد کے مقابلے میں آمروں کے لیے اس میں کئی ایک نقصانات مضمر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے خیالات کو کنٹرول کرنا مطلق العنان حکومتوں کے بنیادی پروگرام کا جزو ہوتا ہے تاکہ وہ قوم کی سادہ دلی سے فائدہ اٹھائیں اور خیالات کے اس کنٹرول کے مقابلے میں مردانِ حق یہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کو روشن خیال بنائیں۔

---

[1] تاریخ طبری ۔ جلد ۱ ۔ صفحہ ۱۶۹ اور تاریخ کامل ابن اثیر ۔ جلد ۱ ۔ صفحہ ۵۶

حضرت ابراہیمؑ کی منطق

حضرت ابراہیمؑ کو اپنی قوم کی کوتاہ نظری کا بڑا دکھ تھا۔ نمرود کا خدائی کا دعویٰ اور اس کے مظالم بھی ان کے لیے بے حد روحانی اذیت کا موجب تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو ڈرایا دھمکایا جا رہا تھا اگر کسی عام آدمی کو اس طرح ڈرایا دھمکایا جاتا تو وہ اپنا سب کچھ بھول جاتا اور یہ سختیاں دیکھ کر خاموشی اختیار کر لیتا لیکن حضرت ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور خواہ کوئی مشکل بھی پیش آتی ہرگز نہیں گھبراتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ نے نمرودیوں کو مخاطب کر کے کہا:

"میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں اور وہ میری رہنمائی کرے گا۔"[1]

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ جس خدا نے انھیں دربار کے سراغرسانوں اور جلادوں سے چھٹکارا دلایا ہے وہ انھیں نمرود کی آگ سے بچانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان زمانے کی مشکلات کے

---

[1] سورۃ الصّٰفّٰت۔ آیت ۹۹ (قال انی ذاھب الی ربی سیھدین ......)

سامنے بے حد ناتواں ہے اور اس کے مصائب خواہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں اس کے لیے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو کہیں نہ کہیں پناہ ڈھونڈتا ہے تاکہ اس کی مشکل حل ہو جائے۔ تاہم بلا تردید وہ کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں جو مشکلات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں لیکن مردانِ حق اور منفرد افراد اور وہ اشخاص جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگا رکھی ہو زمانے کے حوادث اور شیطان اور اس کے پیروؤں کی جانب کوئی توجّہ نہیں دیتے اور زور، قوّت اور آمریّت ان کی نظروں میں بالکل ہیچ ہوتی ہیں اور وہ ان سے ہرگز خوفزدہ یا پریشان نہیں ہوتے حتّٰی کہ بعض اوقات خود دوڑ کر موت، جیل اور جلا وطنی کا استقبال کرتے ہیں۔

یہی کیفیّت حضرت ابراہیمؑ کی تھی۔ انھیں کسی حادثے کا کوئی خوف نہ تھا اور اگرچہ اس بات کا قوی احتمال تھا کہ انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور ان کا مقدس خون بہایا جائے گا یا انھیں زندہ جلا دیا جائے گا لیکن وہ ایک آہنی عزم کے ساتھ جو انہی کا حصہ تھا دوست کے کوچے اور اپنے مقصد کے حصول کے راستے پر رواں دواں رہے۔

بلاشبہ اگر انسان اپنی ہستی ان مقدس مقاصد کی راہ میں نثار کر دے جو اس کے پروردگار کو پسند ہیں تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ اپنی ہستی مٹا دے لیکن شیطانوں کی جانب دستِ سوال دراز نہ کرے۔

وہ گھٹیا لوگوں کے سامنے کیوں دستِ سوال دراز کرے اور ان سے التجا کرے؟

کیا وہ ایک گھٹیا شخص سے مدد طلب کرے جو خدا کا محتاج ہے؟

جی ہاں! مرد ایسا ہونا چاہیئے جو دنیا سے بے نیاز ہو اور اپنا مقصد عزیز رکھتا ہو کہ اگر آگ میں گرا دیا جائے تب بھی نمرود اور اس کے ہوا داروں کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔

نمرودی آگ

ہر شخص جتنا نمرود کے دربار سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا یا جتنا نمرودی حکومت سے ڈرتا تھا اسی تناسب سے جلانے کی لکڑی لے آیا جس کے نتیجے میں اتنی لکڑیاں جمع ہوگئیں کہ ایک پہاڑ بن گیا۔

جس رقبے میں آگ جلائی گئی اس کی لمبائی ساٹھ میٹر چوڑائی چالیس میٹر اور اونچائی بیس میٹر تھی۔[۱]

بدھ کا دن آپہنچا۔ اس موقع پر پہلی دفعہ منجنیق استعمال کی گئی اور اس کے ذریعے حضرت ابراہیمؑ کو نمرودی آگ میں ڈال دیا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ منجنیق میں بیٹھے تھے اور قریب تھا کہ آگ کے شعلے انھیں نگل جائیں۔ تمام موجودات نے فریاد بلند کی اور یک زبان ہو کر خدا تعالیٰ سے حضرت ابراہیمؑ کا دفاع کرنے اور انھیں مدد

---

[۱] روضۃ الصفا ۔ جلد ۱

بہم پہنچانے کی اجازت چاہی لیکن ربّ جلیل نے کوئی توجّہ نہ دی۔ [۱]
خدا تعالیٰ کا حوصلہ کتنا وسیع ہے! روئے زمین پر صرف ایک حقیقی خدا پرست موجود ہے اور وہ بھی آگ کا شکار ہوا چاہتا ہے۔ فقط اس کے اقربا ہی وہ لوگ ہیں جنھیں اس کی مدد کو پہنچنا چاہیئے لیکن آزر نے شاید آئندہ کارروائی سے بچنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے موقع سے فائدہ اٹھایا اور حضرت ابراہیمؑ کے مُنہ پر ایک تھپّڑ کھینچ مارا۔

بلاشبہ بظاہر حضرت ابراہیمؑ کا کوئی مددگار نہیں جو اُن کی فریاد کو پہنچے تاہم خدائے بزرگ و برتر کا فرشتہ ان کے پاس آیا اور کہا:

کیا میں آپ کے لیے کچھ کرسکتا ہوں؟

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

"مجھے تمھاری ضرورت تو نہیں البتہ پروردگارِ عالم کا محتاج ضرور ہوں۔"

حضرت جبرئیل یہ منظر دیکھ کر پریشان ہو گئے اور فریاد بلند کی اور رب العالمین کی بارگاہ میں عرض کیا:

"بارِ الٰہ! تیرا خلیل آگ کا لقمہ بنا چاہتا ہے اور اس وقت روئے زمین پر اس کے علاوہ کوئی خدا پرست نہیں۔ کیا تو نے دشمن کو اس پر مسلّط کر دیا ہے؟"

---

[۱] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۶

پروردگارِ عالم نے وحی فرمائی:

"عجلت اس کا کام ہے جسے خوف ہو کہ وقت اس کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے لیکن میں جس وقت چاہوں اپنے بندے کو مصیبت سے نجات دے سکتا ہوں۔ میرے لیے دیر کا کوئی سوال نہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلا دینے کی خبر ان کی پریشان حال ماں کو ملی۔ شاید ماں نے بے اختیار اپنا سر برہنہ کر دیا اور نیلے آسمان کے نیچے اور بتوں، بت پرستوں، جلّادوں، ظالموں اور مجرموں سے دُور آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:

"اے پروردگار! میں نے سالہا سال دُکھ سہے اور اپنے عزیز فرزند کی پرورش کی۔ اے مہربان خدا! وہ کون سی تکلیف ہے جو میں نے نہیں سہی اور کون سی مصیبت ہے جو برداشت نہیں کی۔ ایامِ حمل کی مشکلات، وضعِ حمل کی تکلیف، بچے کی شیر خوارگی کے ایّام کی مشقّت اور اس کی پرورش کا بوجھ۔ یہ سب ایسی چیزیں تھیں جنھوں نے میری روح کو آزردہ کر دیا۔ لیکن میں نے یہ سب کچھ اس امّید پر کیا کہ ایک دن میرا بیٹا بڑا ہو گا اور ایرانیوں کو ظالموں کے ظلم اور بتوں کی پرستش سے نجات دلائے گا۔ افسوس صد افسوس! میری سب امیدیں برباد

ہوگئیں۔ دربار کے خونخوار پنجے میرے عزیز فرزند کے گلے میں گڑ گئے اور عنقریب وہ آگ کا لقمہ بننے والا ہے۔ اے مظلوموں کے خدا! ابراہیمؑ کی غمزدہ ماں کی امداد کو پہنچ۔ ابراہیمؑ کی ماں کو رنج و غم سے نجات دے۔ اے خدا! تیرے سوا میری کوئی پناہ گاہ نہیں۔ میں جہاں کہیں قدم رکھتی ہوں وہاں مجھے جلاد اور ظالم نظر آتے ہیں جنہوں نے بیکسوں کا گوشت پھاڑنے کے لیے اپنے دانت تیز کر رکھے ہیں اور انھیں کھانے کو تیار ہیں۔"

جب آگ گلزار ہوگئی

خدا تعالیٰ کا دستِ قدرت حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھا۔ ان کی ماں کی فریاد موجودات اور ملائکہ کی فریاد کے ساتھ شامل ہوگئی۔ خدا کا دستِ قدرت، عظمت اور قہر کی آستین سے باہر نکلا۔ ابھی حضرت ابراہیم آگ میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ آگ کے ٹھنڈا ہو جانے کا حکم صادر ہوگیا اور اُسے کہا گیا کہ وہ ٹھنڈی اور بے ضرر ہو جائے۔

بلاشبہ ایسی صورت میں انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ خدا پرست حضرت ابراہیمؑ کو بتوں کو توڑنے اور نمرود کی آمریت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے جرم میں سزا کے طور پر آگ میں ڈال دیا جاتا ہے لیکن آگ کے شعلے انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے اور وہ

زندہ سلامت رہتے ہیں۔

جی ہاں! آگ کے وہ شعلے جن پر سے اگر پرندہ بھی گزرنے کی کوشش کرتا تو جل مرتا خداوند کریم کے حکم سے ٹھنڈے ہو کر گلزار میں تبدیل ہو گئے۔

نمرودی کمال حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ آگ نے حضرت ابراہیمؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ان عام منافقین کی طرح جو ہر عوامی کام کی نیک نامی اپنے حساب میں ڈالنا چاہتے ہیں کہا: میں نے دعا مانگی تھی کہ ابراہیمؑ نہ جلیں۔

خداوند عالم نے سننے والوں کو متنبہ کرنے کے لیے آگ کے ایک شعلے کو حکم دیا کہ اس شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ چنانچہ وہ جل کر راکھ ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے جلنے کا منظر دیکھنے کے لیے نمرود ایک مینار پر جا بیٹھا جو پہلے سے ہی اس کے لیے آراستہ کر دیا گیا تھا[1] غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ آگ کے درمیان زندہ سلامت موجود ہیں۔ یہ دیکھتے ہی اس کے دل میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خدا سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنے کے بعد لوگوں کو یہ امید تھی کہ آگ انھیں جلا دے گی اور ان کی ہستی کا خاتمہ کر دے گی لیکن

---

[1] تاریخ کامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۶

حضرت ابراہیمؑ نے خدا تعالیٰ سے لُو لگا رکھی تھی اور اُس ربِّ جلیل نے اُنھیں جلنے سے بچالیا۔

نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا: کیا آپ آگ سے باہر نکل سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا: ہاں!

نمرود نے کہا: مجھے آپ سے اور آپ کے خدا سے عقیدت ہو گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے خدا کی خاطر چار ہزار گایوں کی قربانی دوں کیونکہ اس کی عظمت اور بزرگی قابلِ ستائش ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

"تمھارا جو دین اور عقیدہ ہے اس کے پیشِ نظر چار ہزار گایوں کی قربانی کا ذرا بھی فائدہ نہیں"۔

جی ہاں! خدائی کا دعویٰ کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کے خدا کا اعتراف کرنا دو ایسی چیزیں ہیں جن میں کوئی ہم آہنگی نہیں۔ خدائے واحد سے محبت کا اظہار اور ملک میں ہزاروں مجسموں کی موجودگی دو متضاد چیزیں ہیں۔ جب قوم اور اس کے خزانے سے رقوم حاصل کر کے ہضم کرلی جائیں تو دینداری کے دکھاوے اور خدا تعالیٰ کی خاطر قربانی کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ دینداری کا دعویٰ بکیوں اور حضرت ابراہیمؑ کے حامیوں کو قید، جلاوطن یا قتل کرنے کے ساتھ سازگار نہیں اور یہ ظاہرا دین داری محض قوم کو دھوکا دینے کے

لیے ہے ۔

نمرود تو ایک نادار اور بیکس یتیم تھا جو سمندر میں ڈوب چلا تھا لیکن پروردگارِ عالم نے اسے بچا لیا۔ اب ذرا سوچیے تو سہی کہ اتنی دولت اس کے پاس کہاں سے آگئی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے خدا کی خاطر چار ہزار گایوں کی قربانی دے؟ کیا اس نے یہ دولت رشوت کے ذریعے یا لوگوں سے زبردستی چھین کر اکٹھی کی ہے یا قومی خزانے میں سے لوٹی ہے؟ ہمیں کیا پتا۔ ہو سکتا ہے کہ قوم نے اس سے کوئی کرامت یا معجزہ دیکھا ہو اور اس بنا پر گائیں، بھیڑیں اور کثیر مال و دولت اس کی نذر کر دیا ہو۔

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے کہا:

"اے نمرود! اگر تو واقعی میرے خدا پر ایمان لے آیا ہے تو سلطنت اور مطلق العنانیت سے دستبردار ہو جا اور بیکس قوم کو موقع دے کہ وہ اپنے افراد میں سے ایک غمخوار شخص کو اپنا رہنما بنائے اور ایک قومی حکومت تشکیل دے۔"

نمرود نے جواب دیا: میں سلطنت نہیں چھوڑ سکتا۔

جی ہاں! نمرود جس نے ناز و نعمت میں پرورش پائی اور غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی محنت سے کمائی ہوئی دولت چھین کر عالیشان محل تعمیر کرائے اور اپنی ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری اب وہ یکلخت یہ تمام آرام و آسائش کیسے چھوڑ دے اور کیونکر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔؟

ابراہیمؑ محفوظ رہے

آگ کے شعلوں نے اِرد گرِد کی فضا میں شدید تپش پیدا کر دی اور یہ تپش اس حد تک جا پہنچی کہ پرندوں کا آگ کے اوپر سے گزرنا محال ہو گیا۔ زمین اس قدر تپ گئی کہ کوئی قریب جا کر آگ کے اندرونی حصّوں کو نہ دیکھ سکا۔

بلاشبہ بظاہر حضرت ابراہیمؑ کے کوئی ایسے طرفدار نہیں تھے جو جو اُن کے آگ میں پھینکے جانے کے وقت اٹھ کھڑے ہوتے اور انھیں نمرود کے ہاتھ سے چھڑا لیتے یا شورش برپا کر دیتے اور یوں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے لیکن جس ربِّ جلیل نے اُنھیں بُتوں اور بُت پرستی کو نابود کرنے پر مامور کیا تھا وہ دنیا کے حالات و کیفیات پر اس قدر حاوی ہے کہ اس نے کسی وسیلے کے بغیر ان کی نجات کا سامان پیدا کر دیا۔

یہ واقعی بڑی تعجّب خیز بات تھی کہ کوئی یہ کہتا کہ حضرت ابراہیمؑ آگ کے سمندر، نمرود کی طویل و عریض تشکیلات اور اس کے امراء و وزراء، عہدیداروں، جاسوسوں اور ساز و سامان سے لیس لشکر کے بیچ میں سے بچ نکلے ہیں۔

بلاشبہ جب مصلحت اس امر کی متقاضی ہو تو وہ محبوبِ حقیقی بندے کی فریاد کو پہنچتا ہے تاکہ اسے رنج و غم سے نجات دے۔

درحقیقت اگر بابل کی سرزمین میں حضرت ابراہیمؑ جیسے چند اور افراد بھی موجود ہوتے تو حضرت ابراہیمؑ کے جلائے جانے سے نمرود کے خلاف قوم کی نفرت اور اشتعال میں اضافہ ہوتا اور اس کے مخالفین کو ایک حربہ ہاتھ آجاتا تاکہ وہ اسے ہدفِ ملامت بنائیں اور اپنے مقصد تک پہنچ سکیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کا جلا دیا جانا اتنا رنجیدہ بھی نہ ہوتا کیونکہ ان کے جلا دینے سے ان کے مکتب کے طرفداروں کو قوّت حاصل ہوتی اور جن لوگوں کا ایمان کمزور ہوتا وہ کنارہ کش ہوجاتے لیکن ان کے مقابلے میں معاشرے کے ستائے ہوئے لوگ جو نمرود کی بداعمالیوں سے متنفّر ہوتے ان کی نفرت اور غم و غصّے میں اضافہ ہو جاتا اور اس کے نتیجے میں حضرت ابراہیمؑ جیسے کئی اور افراد پیدا ہوجاتے لیکن صورت یہ تھی کہ بابل کی سرزمین میں فقط ایک بت شکن تھا اور یہ ضروری تھا کہ وہ ظالموں کے شر سے محفوظ رہے تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو۔

بلاشبہ خدائے بزرگ و برتر نے حضرت ابراہیمؑ کی فریاد سُنی جو کہہ رہے تھے :

"بارِالٰہا! تو آسمان اور زمین میں یکتا ہے۔ خدائے واحد میرا سہارا ہے اور وہی بہترین سہارا ہے۔"[1]

---

[1] اللھم انت الواحد فی السماء وانت الواحد فی الارض۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل (تاریخ الکامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۶)

پروردگار! تو اپنی رحمت کی بدولت مجھے آگ سے
محفوظ رکھ۔"

رب العزّت نے ان کی فریاد کا جواب دیا اور عین ممکن ہے کہ جو انگوٹھی حضرت جبرئیل ان کے لیے لائے تھے اس پر کھدے ہوئے الفاظ نے ان کے اعتمادِ نفس پر اثر ڈالا ہو۔ انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے: "اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے اللہ کو اپنا سہارا بنایا ہے۔ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے اور اپنے حالات اللہ پر چھوڑ دیے ہیں۔ ۱؎

خاموشی کے نقصانات

ممکن ہے آپ خیال کریں کہ حضرت ابراہیمؑ بت شکن نے تن تنہا اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا اور اگر خدا تعالیٰ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ موت سے دوچار ہو جاتے اور آیا یہ فعل درست تھا کہ ایک شخص اپنے آپ کو معرضِ خطر میں ڈال دے اور موت کے منہ میں چلا جائے اور نمرود کی آمرانہ حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرے۔

اگر ہم سوداگرانہ نگاہ سے اور تجارتی فائدے کے نقطۂ نظر سے دیکھیں اور حضرت ابراہیمؑ کے عمل سے مالی منفعت کی توقع رکھیں اور یہ کہیں

۱؎ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ الجات ظھری الی اللہ
واسندت امری الی اللہ دفوضت امری الی اللہ

کہ اگر انھیں شہرت حاصل ہو رہی تھی تو وہ ان کے کاروبار کے لیے مفید تھی تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ ان کا عمل سو فیصد غلط تھا کیونکہ نہ تو وہ تاجر تھے کہ تجارتی نفع چاہیں اور نہ ہی دنیاوی ہیرو تھے کہ شہرت سے فائدہ اٹھائیں۔

ہمیں چاہیے کہ حضرت ابراہیمؑ کے معرکوں کا مطالعہ انبیائے کرامؑ اور مردانِ حق کے نقطۂ نگاہ سے کریں اور انھیں کا اندازِ فکر اپنائیں تاکہ ہمیں یہ یقین حاصل ہو جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کا عمل سو فی صد درست اور مفید تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ نمرود کو یہ بات ذہن نشین کرا دیں کہ انسان بذاتِ خود عاجز ہے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ لوگوں کو بھی یہ جتلانا چاہتے تھے کہ تم بلا وجہ نمرود کی آمریت کے سامنے جُھک گئے ہو اور بلا چون وچرا اس کی بالادستی کو تسلیم کر لیا ہے۔ وہ بھی ایک انسان ہے اور تمھاری طرح خواہشات کا پُتلا ہے۔

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ نے خود اپنے ہاتھوں سے آزادی اور آزادی خواہی کا بیج بویا تاکہ جو لوگ آزادی کے طالب ہوں وہ ان کے مکتب سے آزادی کا درس سیکھیں اور استقلال اور سرفرازی کی جانب گامزن ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے قوم کی کئی سال کی طویل خاموشی اور نمرود کی آمرانہ حکومت کے خلاف اعتراض کا ریکارڈ توڑ دیا تاکہ لوگ آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا سبق سیکھیں۔

جی ہاں! اگر حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کچھ دلیر لوگ سرزمینِ بابل

کی خاموشی توڑ دیتے تو مظلوم قوم کی یہ حالت نہ ہوتی کہ وہ نمرود کی پرستش کرتی اور اسے کردگارِ عالم کا ہم پلّہ قرار دیتی اور نمرود کو بھی اتنی جرأت نہ ہوتی کہ حضرت ابراہیمؑ کی دنیا میں آمد کو روکنے کے لیے ہزاروں شیرخوار لڑکوں کو اپنے جلّادوں کے ہاتھوں قتل کرا دیتا۔

بہرحال بابل کے لوگوں نے ایک لاکھ شیرخوار لڑکے اپنی خاموشی کے جرم کی سزا میں نمرود کی مطلق العنانی کی نذر کر دیے حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ بُت شکن تشریف لائے اور انھوں نے اس مہلک سکوت کو توڑا اور عوام کو سختی اور ظلم و ستم سے نجات دلوائی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر بابل کی قوم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عوامی فریضے پر عمل کرتی تو ان تمام مصائب سے دوچار نہ ہوتی اور حضرت ابراہیمؑ بھی آگ کا لقمہ نہ بنتے لیکن ان لوگوں نے اپنی خاموشی کے جرم کی وجہ سے ہزاروں بچے مروا دیے اور حضرت ابراہیمؑ قید کر دیے گئے اور پھر زندہ آگ میں ڈال دیے گئے اور جب آگ نے انھیں نہ جلایا تو ان کی جلاوطنی کا حکم صادر ہو گیا۔

بلاشبہ یہ تمام نقصانات خاموش رہنے اور اجتماعی امور سے لاپروائی برتنے کا نتیجہ تھے۔

آسمان سے باتیں کرتا ہوا مینار

حضرت ابراہیمؑ کے خدا نے اپنی قدرت نمرود کو دکھا دی اور اس

پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ آگ کے سمندر کو بجھا دینے کا اختیار رکھتا ہے اور اپنے بندے کو ناگہانی آفتوں سے بچا سکتا ہے۔

نمرود نے قدرتِ الٰہی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ کے خدا کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اس سے ملے اور اگر ممکن ہو تو دھمکیوں سے یا لالچ دے کر اُسے اپنا ہم خیال بنائے اور اسے کہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی حمایت سے باز رہے تاکہ وہ (نمرود) انھیں نیست و نابود کر دے اور اس کا تخت اور تاج ممکنہ خطرات سے محفوظ رہیں۔

اسی خام خیالی کے تحت نمرود نے حکم دیا کہ اس کے لیے ایک آسمان سے باتیں کرتا ہوا مینار تیار کیا جائے تاکہ وہ خدا سے ملتے جائے اور اسے اپنا حامی بنائے اور یوں اپنا مقصد حاصل کرلے۔ [1]

واقعی انسان بھی کتنا خود پسند ہے اور اس کی خود پسندی نے اسے کس قدر اپنی خواہشات کے تابع کر دیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ ایک مینار تعمیر کر کے خدا تعالیٰ سے ملنے جائے اور اسے اپنا ہم خیال بنائے اور اس کی حمایت حاصل کرے! جی ہاں! وہ چاہتا ہے کہ خدا سے ملاقات کرے اور اپنے مظالم اور جرائم کے سلسلے میں اس سے مدد طلب کرے!

نمرود کے لیے مینار تعمیر کر لیا گیا اور یہ عمارت قوم کے بجٹ اور محنت کش طبقے کی گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کر کے تیار ہو گئی اور نزدیک

---

[1] الکامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۶ اور تاریخ طبری جلد ۱۔ صفحہ ۲۰۳

تھا کہ نمرود اس مینار میں داخل ہو اور آہستہ آہستہ راستہ طے کرتا ہوا اس کی چوٹی پر جا پہنچے تاکہ خدا سے ملاقات کر سکے لیکن اچانک یہ نوساختہ عمارت گر گئی اور خدا تعالیٰ کے دیدار کی حسرت نمرود کے دل ہی میں رہ گئی۔ [1]

بلاشبہ جس عمارت کی مٹی بیکسوں کی ہڈیوں کی خاک سے تیار کی جائے اور اس کے لیے پانی یتیموں کی آنکھوں کے آنسوؤں سے فراہم کیا جائے اور جس کی اینٹیں بیوہ عورتوں اور دیوالیہ لوگوں کے دلوں کی آگ نے پکائی ہوں اور جس کا مسالہ جلّادوں کے ہاتھوں اور پاؤں تلے پس جانے والے شیرخوار بچّوں کی چیخوں نے آسمان کی طرف بھیجا ہو اور غمزدہ ماؤں کی جگر خراش فریاد کی صدائے بازگشت نے جمع کیا ہو اس کا انجام اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

نمرود کی فضائی کشتی

نمرود کی جلائی ہوئی آگ حضرت ابراہیمؑ کے لیے گلزار بن گئی اور وہ اس سے زندہ سلامت باہر نکل آئے۔ اب ہر گلی کوچے میں حضرت ابراہیمؑ کی فتح اور آگ کے ان کی خاطر گلزار ہو جانے کی باتیں ہونے لگیں۔ بابل کے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان اتنا اختیار رکھتا ہو؟ پھر وہ خود ہی کہتے کہ ابراہیمؑ کا حامی

---

[1] سورۃ النحل۔ آیت ۲۶ (فخر علیہم السقف......)

(تاریخ طبری - جلد ۱۔ صفحہ ۲۰۳)

واقعی بڑی قدرت کا مالک ہے۔ اس نے آگ کو گلزار کر دیا اور نمرود کا مینار بھی گرا دیا۔

لوگوں کے خیالات نے رفتہ رفتہ نمرود کو متاثر کرنا شروع کیا اور اس نے دیکھا کہ اس میں مقابلے کی تاب نہیں ہے اور چونکہ کمزور لوگ طاقت، تہمت زنی اور دھونس کا سہارا لیتے ہیں اس لیے جب نمرود بھی حضرت ابراہیمؑ کے خلاف کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے طے کیا کہ طاقت کے بل بوتے پر اُسے نابود کر دے جو حضرت ابراہیمؑ کی پُشت پناہی کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے قسم کھائی کہ میں ابراہیم کے خدا سے ملاقات کروں گا اور...... [1]

چونکہ سب نعمتیں اور مصیبتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں اس لیے نمرود نے خیال کیا کہ پروردگار عالم اور ابراہیمؑ کا حمایتی بھی آسمان کے اندر کسی مخصوص مقام پر رہتا ہے۔ اسی خام خیالی کی بنا پر اس نے ایک فضائی کشتی تیار کرائی اور حضرت ابراہیمؑ کے خدا کی تلاش میں جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اگر ہو سکے تو اسے قابو میں لا کر ختم کر دے۔

نمرود کا فضا میں آواز سے تیز تر سفر کرنے والا راکٹ اور مصنوعی سیارہ ان چیزوں سے بنا ہوا تھا:

لکڑی کا ایک چھوٹا سا صندوق بنایا گیا اور اس کے اوپر کچھ گوشت لٹکا دیا گیا۔ چار بھوکے گدھ جنھیں طاقتور بنانے کے

---

[1] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۰۸

لیے کافی دنوں تک شراب اور گوشت پر پالا گیا تھا اس کے چاروں طرف باندھ دیئے گئے۔ نمرود اور اس کا وزیر اس صندوق میں بیٹھ گئے۔ گوشت کے لالچ میں گدھوں نے اُڑنا شروع کیا جس کے نتیجے میں صندوق بھی زمین سے اُٹھ گیا۔ یوں نمرود اور اس کا وزیرِ اعظم آسمان کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ حضرت ابراہیمؑ کے خدا پر قابو پا کر اسے قتل کر دیں۔

صندوق اس قدر بلندی پر چلا گیا کہ زمین اور پہاڑ نگاہ سے اوجھل ہو گئے لیکن ہر چند تلاش کرنے کے باوجود وہ خدا کو نہ پاسکے نمرود نے سوچا کہ بغیر کچھ کیے واپس چلا جائے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس طرح تو وہ دوبارہ لوگوں کے اور کم از کم اپنے وزیرِ اعظم کے سامنے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خدا کے سامنے ہیٹا دکھائی دے گا چنانچہ اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے اس نے تیر اوپر کی جانب چلا دیے اور خود خالی ہاتھ زمین کی طرف لوٹا۔

درحقیقت اگر نمرود اس سفر کے دوران غور کرتا اور ستاروں کے نظم و ضبط اور اجرامِ فلکی کے وجود یعنی ستاروں، چاند، سورج کہکشاؤں اور سحابیوں سے سبق حاصل کرتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ یہ موجودات ایک منتظم کے بغیر نہیں ہیں۔ پھر وہ یہ بھی سوچتا کہ میں جو خدائی کا دعویدار ہوں ان معاملات میں دخل دینے کی قدرت نہیں رکھتا اور جو ہستی اس تمام تر نظام کو چلا رہی ہے وہ علم، قدرت اور عظمت کی مالک ہے اور یوں وہ براہ راست

ہدایت حاصل کر لیتا۔

بلاشبہ اگر اس نے یہ سوچا ہوتا کہ یہ جچا تلا نظم و ضبط جو ثوابت اور سیاروں یعنی چاند، سورج، زمین اور دوسرے کرّوں میں برقرار ہے وہ ایک ایسے مقتدر حاکم کی حکومت کا نتیجہ ہے جس کی حکم عدولی کی یہ موجودات ہرگز طاقت نہیں رکھتے تو وہ حضرت ابراہیمؑ کے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا لیکن نمرود نے خدا تعالیٰ کی صنعت کے یہ آثار عبرت، نصیحت اور تدبّر کی نگاہ سے نہیں دیکھے کیونکہ اس کا دل شیطان کے قبضے میں تھا اور اس میں صحیح طرز پر سوچنے کی صلاحیت مفقود تھی۔ صرف یہی نہیں کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کے خدا کی ہستی کا اعتراف نہیں کیا بلکہ ممکن ہے کہ ان آثار کو دیکھ کر اس کے دل میں اور زیادہ جسارت پیدا ہو گئی ہو۔ کیا نمرود سے جو حضرت ابراہیمؑ کی معرکہ آرائی کی ابتدا سے ہی مبدءِ غیبی کا منکر اور حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خدا کا جانی دشمن تھا اور جس کے دماغ پر ستاروں کے نظم و ضبط اور پروردگارِ عالم کی عظمت کے آثار نے کوئی اثر نہ ڈالا یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ کردگارِ کائنات کی جانب توجّہ دے گا اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے گا؟

اضطراب کا ردِّ عمل

وہشت، وحشت اور اضطراب کا جو ماحول نمرود نے پیدا

پیدا کر دیا تھا اس نے قوم کے لیے ہنگاموں اور شورش کی راہ ہموار کر دی۔ درحقیقت نمرود کے "حفاظتی عملے" نے قوم کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ لوگ خونخوار جلادوں کے خوف کے مارے سکھ کی نیند بھی نہیں سو سکتے تھے۔ ہر لحظہ موت کا منظر ان کی نگاہوں کے سامنے گھومتا تھا اور یوں نمرود کے تسلط کے معنی بخوبی ان کی سمجھ میں آ جاتے تھے۔

نمرود کی حکومت نے جو اضطراب پیدا کر رکھا تھا اس کی بنا پر لوگ بے حد پریشان اور بے چین تھے اور ہر لحظہ اس امر کا امکان بڑھتا جاتا تھا کہ ان کی قوت کا لاوا پھٹ پڑے اور وہ نمرود کی حکومت کا تختہ الٹ دیں لیکن ٹیکسوں، بیگاری اور ناداری نے انہیں اتنا زچ کر رکھا تھا کہ ان کی آہ سینوں میں دبی رہ جاتی تھی اور وہ فریاد تک نہیں کر سکتے تھے۔

اگر قوم کے پاس مسلح ہونے کے لیے مالی وسائل ہوتے تو وہ نمرود کا حساب بہت جلد چکا دیتی لیکن غریبی اور ناداری نے لوگوں کی مالی قوت اور پس انداز کی ہوئی دولت کو نگل لیا تھا اور اگر ان میں شجاعت اور مردانگی ہوتی تو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہونے کے لیے بغاوت کر دیتے اور اپنا رنگین خون بلند و بالا محل کی بنیادوں میں چھڑک دیتے اور اس کی خدائی کے نظام کو ملیامیٹ کر دیتے لیکن ایک بیکار اور بھوکی قوم جس پر مالی دباؤ ہر لحظہ بڑھتا جا رہا ہو کیا

کرسکتی ہے؟

لیکن اگر مظلوم قوم لشکر، اسلحہ اور شجاعت سے عاری تھی تو حضرت ابراہیمؑ بُت شکن جو لوگوں کو نجات دلانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے لشکر بھی رکھتے تھے اور قوّت کے حامل بھی تھے اور سرپنجۂ قدرت اور آہنی عزم کے ساتھ نمرود کے مظالم سے نبرد آزما ہونا چاہتے تھے اور اسے مطلق العنانی اور ظلم وستم کے محل سے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دینا چاہتے تھے۔

خدائے بزرگ وبرتر پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار کی جانب روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر وہ اس کے سامنے کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

"اے نمرود! جرائم اور آمریّت سے دستبردار ہوجا! اپنا ظلم اور خود سری ختم کردے! خدائے بزرگ اور اس کی قدرت سے ڈر! اگر میرے خدا کو غضب آگیا تو وہ تیرے دربار کے کسی چھوٹے بڑے پر رحم نہیں کرے گا اور سب کو نیست ونابود کردے گا۔"

نمرود نے جواب دیا:

"میرے پاس طاقت ہے۔ میرے پاس لشکر ہے۔ میں تمھاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتا اور مجھے تمھارے خدا کا بھی کوئی خوف نہیں۔ تمھارے خدا کا جو جی چاہے

کرلے۔ اگر تمھارے پاس طاقت اور لشکر ہے تو میرے مقابلے پر آجاؤ۔ میرے علاوہ کسی صاحب قدرت اور خدا کا وجود نہیں۔"

نمرود غرور کے نشے میں اس قدر سرشار تھا کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کی نصیحت پر کوئی توجّہ نہ دی بلکہ اُن سے کہا کہ وہ مقابلے کے لیے لشکر لے کر آئیں۔

مقابلے کی تیّاری

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

"تو جتنی طاقت جمع کر سکتا ہے کرلے۔ ہمارا لشکر بھی آرہا ہے پھر ہم ایک دوسرے کے خلاف جنگ لڑیں گے تاکہ حق کو فتح نصیب ہو۔"

نمرود نے کہا: تمھارا لشکر کہاں ہے؟

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: ہمارا لشکر تیّار ہے۔ جس وقت تم لڑائی کا قصد کروگے وہ آپہنچے گا۔

نمرود نے بڑی محنت سے لشکر اکٹھا کیا اور تمام سپاہیوں کو سازوسامان سے لیس کر دیا۔ پھر اس نے حضرت ابراہیمؑ کو کہلا بھیجا کہ وہ بھی اپنا لشکر میدانِ جنگ میں لے آئیں۔

نمرود کے سپاہی حضرت ابراہیمؑ کے سامنے سے پریڈ کرنے

ہوئے گزرے اور معرکہ آرائی کا مطالبہ کیا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ جنگ شروع ہو گئی۔ نمرود کے سپاہی اپنے جنگی ساز و سامان سے لڑ رہے تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ کے سپاہی چھوٹے چھوٹے ہاتھی تھے جو فضا میں اڑنے لگے۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ آسمان تاریک ہو گیا۔

جی ہاں! چھوٹے چھوٹے مچھر جو بڑے ہاتھیوں کے اسلحہ سے لیس تھے فضا میں نمودار ہوئے اور نمرودیوں کے گوشت پوست پر حملہ آور ہو گئے۔

اب نمرود کے ساز و سامان سے لیس سپاہی ان ننھے منّے سپاہیوں کا کس چیز سے مقابلہ کرتے اور انھیں کیسے زیر کرتے؟ نہ صرف سپاہی حیران و پریشان تھے کہ کیا کریں بلکہ نمرود بھی حیرت اور پریشانی کے مارے بھاگ نکلا اور اعترافِ شکست اور صلح کی علامت کے طور پر سفید پرچم بلند کر دیا۔ تاہم حضرت ابراہیمؑ کے سپاہی تو نمرودیوں کا حساب کتاب چکا دینے پر مامور تھے۔

نمرود کے ساز و سامان سے لیس لشکر نے شکست کھائی اور خود نمرود پر اس کے محل میں انھی میں سے ایک سپاہی نے حملہ کر دیا۔ ایک کمزور مچھر اس کی ناک میں گھس گیا اور دماغ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتا رہا حتیٰ کہ اس کے مغز کے نزدیک پہنچ گیا۔

یہ وہی بلند و بالا محل تھا جس میں حاجتمند، بیکار اور مظلوم لوگ بغیر اجازت لیے داخل نہیں ہو سکتے تھے بلکہ اس کے قریب سے بھی نہیں گزر سکتے تھے اور اگر کبھی اسے دیکھنے جاتے تھے تو نمرود کے نمائندے انھیں گداگروں کی کوٹھڑی میں ڈال دیتے تھے۔

جی ہاں! یہ وہی عالیشان محل تھا جس میں وزیر بھی بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتے تھے لیکن اب ایک کمزور مچھّر اس میں آ پہنچا تھا اور اسے فی الفور نمرود سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا اور وہ اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔

مچھّر محل میں داخل ہوا اور سیدھا نمرود کی ناک میں جا گھسا اور رینگتے رینگتے اس کے مغز تک جا پہنچا۔ یہاں اس نے بسیرا کر لیا اور مغز کو ڈنک مارنے لگا۔

ایک کمزور مچھّر نے اُسے اتنا پریشان کیا کہ اس کے جاں نثار غلام مچھّر کو نکالنے کے لیے اس کے سر پر زور زور سے آہنی ہتھوڑے مارتے تھے۔

نمرود سالہا سال تک اس مصیبت میں گرفتار رہا حتیٰ کہ بالآخر اس کی موت واقع ہو گئی۔ [1]

---

[1] طبری نے جلد اوّل صفحہ ۲۰۵ پر لکھا ہے کہ نمرود چار سو سال تک اس مصیبت میں مبتلا رہا اور روضۃ الصفا جلد اوّل صفحہ ۱۱۱ پر لکھا ہے کہ اسے چالیس سال تک یہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

خدا تعالیٰ کی قدرت بھی کتنی عجیب ہے! نمرود کو پیدا کرنے والا خدا ایک مچھر کے ذریعے ظالموں کا حساب چکا سکتا ہے اور انھیں نابود کر سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا صبر اور حوصلہ رکھتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے خدا نے صبر کیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اتنا حوصلہ دکھایا کہ خود صبر اِن کے ہاتھوں تنگ آگیا لیکن نمرود کو ہوش نہ آیا اور اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ نہ سوچا اور خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوا حتیٰ کہ رہبر دینی اور قوم سے بے اعتنائی برتنے کی سزا اسے مل گئی۔

جی ہاں! خدا تعالیٰ کی جانب سے محاسبہ شروع ہوا اور اس ربِّ جلیل نے عملاً واضح کر دیا کہ انسان اپنی تمام تر قوّت، شجاعت، سلطنت اور شوکت کے باوجود میری کمزور سی مخلوق کے سامنے بے بس ہے اور اگر خدا تعالیٰ ارادہ کرلے تو کوئی قوّت اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی

آخری ضرب

نمرود نے جو خود پسندی کا مجسمہ تھا آگ کے گلزار ہو جانے سے کوئی سبق نہ سیکھا اور نہ تو حضرت ابراہیمؑ کے وعظ و نصیحت سے ہوش میں آیا نہ ہی ان کے سپاہیوں کے حملے سے خوابِ غفلت سے بیدار ہوا بلکہ ان تمام باتوں کے جواب میں اس نے کہا: مجھ میں جتنی قوّت ہے پوری کی پوری صرف کر دوں گا۔ خدا بے شک اپنا لشکر

بھیج دے تاکہ ہم آپس میں جنگ کریں۔ میں ابراہیمؑ کے خدا کو نہیں مانتا کیونکہ عین ممکن ہے کہ کوئی دوسرا خدا بھی ہو۔ [1]

اپنی اسی خود پسندی کی بنا پر اس نے حضرت ابراہیمؑ کے ناتواں پیکر پر پے در پے ضربات لگائیں۔ انھیں لوگوں کے سامنے عدالت کے روبرو پیش کیا۔ جیل میں ڈالا۔ آگ میں پھینکا اور میدانِ جنگ میں گھسیٹا تاکہ انھیں اپنا فرمانبردار بنالے لیکن حضرت ابراہیمؑ مضبوط دل کے ساتھ برسرپیکار رہے اور اس کے جرائم اور مظالم کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

اب نمرود نے آخری ضرب لگائی اور حکم دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو جلاوطن کردیا جائے۔ جی ہاں! اس وقت بھی جب کہ وہ ایک کمزور مچھر کے ہاتھ میں گرفتار تھا اور اس کے سر پر آہنی ہتھوڑے مارے جارہے تھے اور وہ وقت قریب تھا جب وہ دنیا کو خیرباد کہہ دے وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوا اور ان سب باتوں کے باوجود بھی حکومت اور رتبے کا گھمنڈ اس کے دماغ میں باقی رہا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو جلاوطن کرنے کا حکم صادر کردیا۔ تاہم حضرت ابراہیمؑ کو جلاوطن ہونے کی کوئی پروا نہ تھی۔

حضرت ابراہیمؑ نے تکلیفیں اٹھاکر نمرود کا اندرونِ ملک پراپیگنڈا بے اثر بنادیا تھا۔ انھوں نے لوگوں کو ذہن نشین کرادیا تھا کہ اگر نمرود محبِ وطن ہونے کا دعوے کرتا ہے تو اس کا وطن عالیشان

---

[1] طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۰۲

محلات اور عیش و عشرت کے مراکز کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور جس قوم کا ہمدرد ہونے کا وہ پراپیگنڈا کرتا ہے وہ چند بدکردار عورتوں اور خوشامدی افراد کے علاوہ اور کوئی نہیں جو مکھیوں کی طرح اس کے لذیذ اور شیریں کھانوں پر بھنبھناتے رہتے ہیں۔ نمرود جس دین کا حمایتی ہونے کا دعویدار ہے وہ اس کی اپنی خدائی اور اس کے مجسمے کی پرستش ہے اور اگر وہ کہتا ہے کہ میں قوم میں ہر دلعزیز ہوں تو وہ قوم محض چند وہ اشخاص ہیں جو اس کے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ نمرود کو صرف اپنی حکومت اور عیش و عشرت کا خیال ہے اور اگر اسے تم لوگوں کے بارے کوئی فکر ہے تو صرف یہ کہ جہاں تک ممکن ہو تم پر بوجھ لادتا رہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے سوچا کہ اگر انھیں جلا وطن کیا گیا تو وہ نمرود کے بیرونِ ملک پراپیگنڈے کا تار و پود بھی بکھیر دیں گے اور یہ ایک بہترین فریضہ ہوگا جو وہ انجام دیں گے۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب ان کی جلا وطنی کا حکم صادر کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ ان کے اعتمادِ نفس میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ ان کے بدن میں ایک نئی روح پھونک دی گئی۔

جلا وطنی کیوں؟

قریب تھا کہ لوگوں کے خیالات اور احساسات کا نتیجہ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں نکلتا اور عوام ان کی حمایت کرتے ہوئے نمرود کی آمریت کے خلاف

شورش برپا کر دیتے۔ دوسری جانب ایک ایسے شعلہ بیان شخص کا وجود جسے آگ بھی نہ جلا سکی تھی اور جس نے لوگوں کے خیالات پر قبضہ کر لیا تھا نمرود کے لیے ہزاروں جنگجو سپاہیوں سے بڑھ کر خطرناک تھا۔ لہٰذا ضروری ہو گیا کہ انھیں جس قدر جلد ہو سکے لوگوں سے الگ کر کے کسی نامعلوم مقام پر جلاوطن کر دیا جائے تاکہ ان کا عوام سے کوئی رابطہ قائم نہ رہے۔[1]

درحقیقت اگر نمرود حضرت ابراہیمؑ کو جلا سکتا تا قتل کرا سکتا یا اپنے لشکر کے ذریعے انھیں مغلوب کر لیتا تو پھر انھیں جلاوطن کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی لیکن آگ گلزار بن گئی اور حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کے خیالات پر قبضہ کر لیا۔ اگر نمرود انھیں قتل کرا دیتا تو ان کے پیرو شورش برپا کر دیتے اور بالآخر شورش کی آگ خود اس کا دامن پکڑ لیتی اور وہ قوم کے غضب کی آگ میں جل کر بھسم ہو جاتا۔

لہٰذا نمرود کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو جلاوطن کر دے تاکہ خود اس کے لیے آمریت، خونریزی، عیش و عشرت، خودغرضی اور بھوکے ننگے عوام پر حکومت کا میدان زیادہ ہموار ہو جائے۔

بھلا سوچئیے تو سہی کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا کیا تھا کہ انھیں بابل شہر سے نکال دیا جاتا اور یہ عمل کون سی منطق سے ہم آہنگ ہے؟ کیا حضرت ابراہیمؑ نے شرعی احکام اور انسانی عمل کے علاوہ کوئی کام انجام دیا تھا؟ کیا حضرت ابراہیمؑ کو اس بات کی آزادی حاصل نہیں تھی کہ اپنے عقیدے

---

[1] کامل ابنِ اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۵ اور روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۱۱

کا اظہار کرتے؟

تعجب کا مقام ہے کہ ہم نمرود کی حکومت سے منطق، قانون، ضمیر اور شرع کی توقع رکھیں کیونکہ سرزمینِ بابل میں قانون، ضمیر اور شرع کی حکومت نہیں تھی تاکہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی جلاوطنی کو منطق، قانون، ضمیر اور شرع کی کسوٹی پر پرکھ سکیں۔

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ کے انقلابی اور اصلاحی خیالات اور سرگرمیوں کا جائزہ قانون، ضمیر اور شرع کے نقطۂ نگاہ سے نہیں لیا گیا۔ ان کی جلاوطنی کی واحد وجہ یہ تھی کہ ان کی موجودگی سے نمرود کے ارکانِ سلطنت کے تزلزل اور اس کی آمریت کے قلعے کے مسمار ہونے کا خطرہ تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ حکومت کی ہوس ہے جس کی بنا پر انسان جرائم اور خونریزی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک مردِ حق کو آگ میں پھینک دیتا ہے اور جب اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا تو اسے جلاوطن کر دیتا ہے۔

یہ عالمی جنگیں، ایٹمی تجربے، جراثیمی بموں کے دھماکے، قتل عام، کمزور قوموں کو جلا دینا، دولت کی ضبطی، قید و بند، جلاوطنی اور گردن زدنی یہ سب چیزیں ایوانِ حکومت کے ارکان کو تزلزل سے بچانے کے لئے ہوتی ہیں۔ [۱]

---

[۱] **ایک مثال:** دوسری عالمی جنگ میں تقریباً دس ملین سپاہی (جن میں سے تین ملین سات سو پچاس ہزار کا تعلق جرمنی سے۔ تین ملین کا روس سے۔ ایک ملین پانچ لاکھ کا جاپان سے۔ ایک ملین تین لاکھ دس ہزار کا (باقی صفحہ ۱۴۷ پر)

(بقیہ صفحہ ۱۴۶ سے آگے) چین سے اور چار لاکھ کا انگلستان سے تھا) کام آئے۔ اسی طرح بارہ ملین سویلین افراد مارے گئے اور ۳۵ ملین زخمی ہوئے۔ مقتولین، مفقود الخبر اشخاص اور پناہ گزینوں کی قطعی تعداد ۶۵ ملین بنتی ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے مالی نقصانات کا گوشوارہ (ڈالروں میں) حسب ذیل ہے:

انگلستان	۳۴۱,۴۹۱,۰۰۰,۰۰۰
روس	۱۲۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰
جرمنی	۲۷۲,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰
اٹلی	۹۴,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰
جاپان	۵۶,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰

ظاہر ہے کہ روحانی اور اخلاقی نقصانات کا تخمینہ لگانا ممکن نہیں لیکن تہذیبی اور حفظانِ صحت کے نقصانات یہ تھے:

۱۲۳ ہزار پرائمری اسکول اور مڈل اسکول تباہ ہوئے۔

۶ ہزار یونیورسٹیاں ویران ہوگئیں۔

۷ ہزار تجربہ گاہیں زمیں بوس ہوگئیں۔

۱۲ ملین عورتوں کے حمل ساقط ہوگئے

اور

۱۷ ملین لیٹر خون روئے زمین پر بہایا گیا......

عدالت میں مکالمہ

حضرت ابراہیمؑ کے طرفداروں میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور ان کی بزرگی زیادہ نمایاں ہو رہی تھی۔ اسی بنا پر نمرود کا ایوانِ حکومت بتدریج ڈول رہا تھا اور قریب تھا کہ وہ اس کے حامیوں کے سروں پر آن گرے۔

نمرود اپنی قساوتِ قلبی کے لیے مشہور تھا لیکن اس کی فطرت کی خباثت حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں جلا وطنی کا حکم دیتے وقت بالکل واضح ہو گئی۔ اس نے ہدایات دیں کہ حضرت ابراہیمؑ کوئی مال و دولت اپنے ساتھ لیے بغیر شہر سے نکل جائیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مال و دولت اور بیوی کے ساتھ جو طبقۂ امراء سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی بیٹی تھی [۱] اور پہلی عورت تھی جو ان پر ایمان لائی تھی [۲] اور جس کے ساتھ انھوں نے ۳۷ سال کی عمر میں شادی کی تھی [۳] شہر کے دروازے سے باہر نکلنا چاہا لیکن سرکاری عہدیداروں نے انھیں روک لیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے دریافت کیا: تم لوگ ہمیں جانے سے کیوں روک

۱۔ وہ حران کے گورنر کی بیٹی تھیں (کامل ابن اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۷۵ اور تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

۲۔ مُروج الذہب۔ صفحہ ۲۱ اور روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۱۱

۳۔ تاریخ طبری۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۸

رہے ہو ؟

انھوں نے جواب دیا : ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ کو کوئی مال و اسباب ساتھ نہ لے جانے دیا جائے ۔

حضرت ابراہیمؑ اور سرکاری عہدیداروں کے جھگڑے نے طول کھینچا اور بالآخر معاملہ نمرود کی عدالت تک پہنچا۔ عہدیداروں نے عدالت میں بیان دیا کہ : "ہمیں ہدایات ملیں ہیں کہ ابراہیمؑ کو بغیر کوئی مال و دولت ساتھ لیے شہر سے نکال دیا جائے لیکن یہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ۔"

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا :

" میں نے اپنی عمر بابل کی سرزمین میں گزاری ہے اور اس دوران میں کچھ دولت فراہم کی ہے اگر یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں کوئی مال و دولت ساتھ لیے بغیر شہر سے چلا جاؤں تو انھیں چاہیئے کہ میری عمر مجھے لوٹا دیں تاکہ میں وہ عمر صرف کر کے کسی اور معاشرے میں دولت کما سکوں ۔"

جج نے کہا :

" ابراہیمؑ کا کہنا درست ہے ۔ یا تو تم لوگ اس کی عمر لوٹا دو یا اس کی دولت سے کوئی تعرّض نہ کرو ۔"

بلاشبہ نمرود کی عدالت نے اپنی آزادی برقرار رکھی ہوئی تھی اور وہ لفظ بہ لفظ قانون اجراء کرا سکتی تھی اور اگرچہ نمرود سخت گیر اور مطلق العنان تھا لیکن قانون کا لحاظ کرتا تھا ۔ چنانچہ جب اسے

جج کے فیصلے سے مطلع کیا گیا تو اس نے اس فیصلے کی توثیق کی اور عدالت پہ اعتراض کیے بغیر حضرت ابراہیمؑ کو شہر سے نکال دینے کا حکم دیا اور کہا:

"اسے اپنا مال و دولت ساتھ لے جانے دو۔ اگر وہ یہاں رہا تو تمھارے مذہب اور عقائد کا ستیاناس کر دے گا اور تمھارے خداؤں کو نقصان پہنچائے گا اور یہ دینی نقصان اس کے مال اور حیوانات ساتھ لے جانے سے کہیں بڑھ کر ہے۔"

بلاشبہ یہ عقائد ہی ہیں جو آزادی، امن اور بزرگواری کی حفاظت کرتے ہیں اور اگر لوگوں کا عقیدہ محفوظ رہے تو قوم کی خوش بختی کی ضمانت مل جاتی ہے۔

نمرود خدا ہونے کا دعویدار تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ مذہب کا راگ بھی الاپتا تھا اور اپنے آپ کو مذہب کا حامی ظاہر کرتا تھا لیکن جس مذہب کی نمرود حمایت کرتا تھا وہ مجسموں کی پرستش اور اس کی اپنی معبودیت تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ اس عقیدے کو قوم میں زندہ رکھے اور خود خدائی کے رتبے سے نیچے نہ آئے۔ جو عقیدہ وہ رکھتا تھا وہ مجسمے کی پرستش اور قوم کی کوتاہ نظری کا عقیدہ تھا اور یہی وہ عقیدہ تھا جس کی مزاحمت حضرت ابراہیمؑ کرتے تھے۔

نمرود کا پروگرام یہ تھا کہ مذہب کے خلاف جنگ کے لیے مذہب کا حربہ ہی استعمال کرے تاکہ وہ بابل کے مظلوم عوام کو غلام بنا کر رکھ سکے

اور ایک دفعہ پھر ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی کے بل بوتے پر دادِ عیش دے سکے۔

آخری ملاقات

حضرت ابراہیمؑ وطن چھوڑنے پر تیار ہو گئے اور اُنھوں نے اپنی جلاوطنی کے حکم کا استقبال کھلے بازوؤں اور بشّاش چہرے کے ساتھ کیا۔ جب سفر کی تیّاری مکمّل ہو گئی تو انھوں نے سوچا کہ اپنی مظلوم قوم کو کچھ وصیّتیں کریں اور پھر سرزمینِ بابل کو خیرباد کہہ دیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہم وطنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اُترے ہوئے چہروں والے بیکس لوگو! اے وہ لوگو جو ٹیکسوں اور بیکاری کے بوجھ کے نیچے دب کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو! اے وہ لوگو جو درباریوں کے جرائم سے تنگ آ چکے ہو! اے وہ لوگو جن کے دلوں کو نمرود کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کرنے والے فرزندوں کی جُدائی کے داغ نے جلا رکھّا ہے! اے وہ لوگو جن کا چین دہشت، خوف اور اضطراب نے چھین لیا ہے! مجھے ایک نامعلوم سرزمین میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ درباریوں کی زبردستی کی وجہ سے میں اپنی بیوی کے ہمراہ وطن کو خیرباد کہہ رہا ہوں۔ تاہم میں خدا کی فرستادہ آسمانی کتاب تمھارے

درمیان چھوڑ رہا ہوں۔

میں نے آزادی کا بیج تمھارے درمیان بو دیا ہے میں نے تمھیں شجاعت اور دلاوری سے متعارف کرا دیا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ ننھّا سا مچھّر نمرود کی ہستی کا خاتمہ کر دے لیکن یاد رکھّو کہ نمرود کے مرجانے سے آمریت ختم نہیں ہو گی اور آمرّیت کا قلع قمع نہیں ہوگا۔

یاد رکھو۔ جب تک تمھارے خیالات پر بے حسی چھائی رہے گی، جب تک تمھیں عام مسائل کا علم نہیں ہوگا، جب تک تم اجتماعی امور میں دلچسپی نہیں لوگے اور جب تک تم تعلیم و تربّیت کی جانب توجّہ نہیں دو گے اور ذہنی اور روحانی آزادی حاصل نہیں کرو گے اور جب تک آپس میں متّحد نہیں ہو جاؤ گے اس وقت تک آمر تم پر مسلّط رہیں گے اور جب کبھی "نی نیاس" (نمرود) اس دنیا سے رخصت ہو گا چونکہ تم آزادی کے لیے آمادہ نہیں ہو گے ایک اور آمر تم پر مسلّط ہو جائے گا۔

لہٰذا آؤ اور آزادی کا پودا لگانے کی فکر کرو۔

اے بابل کی سرزمین! میں نے تقریباً چالیس سال تیرے درمیان دکھ اٹھائے۔ تکالیف اٹھائیں۔ خونِ جگر پیا۔ نمرود کے درباریوں سے سخت سُست سُنا۔ تیرے

درمیان جیل میں ڈالا گیا اور آگ میں پھینکا گیا۔

اے بابل کی سرزمین! میں نے یہ تمام تکالیف شہرت، بڑائی یا دنیاوی فائدے کے لیے نہیں اُٹھائیں۔

ہاں! اگر میں شہرت کا طالب ہوتا تو ابتدائی مراحل میں ہی خونخوار درباریوں کے ہاتھوں نابود ہو جاتا اور شہادت کا جام نوش کر لیتا اور خدا تعالیٰ میری اس قدر حمایت نہ کرتا حقیقت یہ ہے کہ اگر مجھے شہرت کی خواہش ہوتی تو نمرود سے ابتدائی معرکوں کے دوران ہی مشہور ہو جاتا اور پھر مجھے یہ تمام تکالیف اٹھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

اے بابل کی سرزمین! تو میرا وطن ہے۔ تو میری جائے آرام ہے لیکن میں کیا کروں، میں تجھے چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ جس لہر کو میں وجود میں لایا ہوں وہ چند سال بعد تک ساحل پر جا پہنچے گی اور ظلم و ستم کے محلوں کو مسمار کر دے گی۔ وہ پھر واپس لوٹے گی، اُچھلے گی اور درسِ عبرت دے گی اور ہزاروں بار ظلم و ستم کے بلند و بالا محلوں کو اُلٹا کر رکھ دے گی۔

اے بابل کی سرزمین! اگرچہ مجھے تجھ سے گلہ کرنا چاہیے کہ تو نے ظالموں کا ساتھ دیا تاکہ وہ مجھے تیرے اندر قید کریں

اور آگ میں ڈالیں لیکن میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے مجرموں کو فرصت دی تاکہ میں شجاعت اور مردانگی کا بیج بو دوں اور توکّل اور اعتماد کا پودا لگاؤں اور جہاد اور ثابت قدمی کی تعلیم دوں۔

اے بابل کے لوگو! میں جلاوطنی کے اس سفر کے دوران آمریت کے خلاف تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ نمرود کے دربار کے مظالم کھول کر بیان کروں اور غیر ممالک میں جو پراپیگنڈا اُس کی جانب سے کیا جاتا ہے اسے بے اثر بنا دوں۔ میں تو جا رہا ہوں لیکن تم سے یہ چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں جہان کی بھلائی کی خاطر میرے مشن کو جاری رکھو تاکہ اس کے اچھے نتائج سے فائدہ اٹھا سکو!!

صحفِ ابراہیمی

ایرانی قوم کی رہنمائی کے لیے اور سرزمین بابل کے لوگوں کی ہدایت کی خاطر خداوندکریم نے چند کتابیں حضرت ابراہیمؑ پر نازل کیں جو انھوں نے مختلف صورتوں میں قوم کے سپرد کر دیں تاکہ لوگ ترقی اور خوش بختی کی جانب قدم بڑھائیں اور ظالموں اور خونخواروں سے مقابلہ کرتے ہوئے ثابت قدم رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو وحی ہوئی کہ بابل کے آمر سے کہہ دیں:

"اے وہ بادشاہ جو قوم پر مسلّط ہو گئے ہو اور اپنے تخت و تاج کی وجہ سے بدمست اور مغرور ہو گئے ہو! میں نے تمھیں دولت سمیٹنے اور ذخیرہ کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ میں نے تجھے پیدا کیا اور طاقت بخشی تاکہ تو مظلوموں کی فریاد کو پہنچے اور ان کی مشکلات حل کرے کیونکہ میں خود مظلوموں کی فریاد کو پہنچتا ہوں اور مظلوم خواہ کافر اور گنہگار ہی کیوں نہ ہو میں اُسے فراموش نہیں کرتا" [۱]

ایسے ہی جوشیلے اور حق پر مبنی کلمات تھے جن کی وجہ سے ظالم نمرود کے دل میں آگ سی لگ گئی اور وہ حضرت ابراہیمؑ کا جانی دشمن بن گیا اور ان ہی تلخ حقائق کی بنا پر اس نے اُنھیں دکھ دینا شروع کیا۔ انھیں عدالت میں کھینچا۔ جیل میں ڈالا، آگ میں پھنکوایا اور بالآخر انھیں جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا۔

واقعی مغرور انسان اقتدار اور دولت سے کتنا بدمست ہو جاتا ہے اور کس قدر خود پسند اور متکبّر ہے! وہ احکامِ الٰہی کی پروا نہیں کرتا اور خدا کے فرستادہ پیغمبر کے خلاف جنگ و جدل میں مصروف ہو جاتا ہے۔

جی ہاں! وہ جنگ کرتا ہے اور دینی رہنما سے جنگ کرنے کا نتیجہ بھی جلد ہی بھگت لیتا ہے۔

---

[۱] کامل ابنِ اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۷۰ اور تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۲۰

نمرود کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو حران کی سرزمین میں جلاوطن کر دیا گیا۔

حران کا گورنر بھی بُت پرست تھا اور اس کی کوشش تھی کہ لوگوں کو جہالت میں بتلا رکھے اور ان کی جہالت سے فائدہ اٹھائے۔

بلا شبہ اگر حران کے لوگ بیدار ہو جاتے اور یہ سوچتے کہ جو بیگار انھیں کاٹنی پڑتی ہے، ٹیکس دینے پڑتے ہیں اور تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں ان کے بدلے میں گورنر کا فرض ہے کہ ان کے آرام اور آسائش کے لیے اقدام کرے تو وہ کوشش کر کے اپنے حقوق حاصل کر لیتے لیکن حران کا حاکم بھی نمرود کا مقرر کردہ تھا اور اپنے خیالات اور عقائد کے بارے میں اسی کی کی متابعت کرتا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے سوچا کہ جو لہر انھوں نے بابل کی سرزمین میں پیدا کر دی ہے اور نمرود کے مظالم کے خلاف جو معرکہ آرائی کی ہے وہ نمرود کی سلطنت کے تمام حصّوں کے لیے کافی ہے اور وہ جلد ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے گا اور جو آگ اس کے دماغ میں سلگا دی گئی ہے اور جو ہتھوڑے اس کے سر پر مارے جا رہے ہیں وہ اسے نیست و نابود کرنے کے لیے کافی ہیں اور جب نمرود مٹ جائے گا تو اس کے ٹکڑوں پر پلنے والے بھی مٹ جائیں گے۔

گورنر کی روش کے نتیجے میں حضرت ابراہیمؑ نے حران کی سرزمین کو خیرباد کہا اور مصر روانہ ہو گئے۔

خدا تعالیٰ کا کرم

جس خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو جلّادوں اور دائیوں سے نجات دی، ظالم درباریوں کے شر سے بچایا، نمرود کی آگ کے شر سے محفوظ رکھا اور نمرود کے عہدیداروں کے فیصلے سے رہائی دلائی اس نے ایک دفعہ پھر انھیں فرعونِ مصر کے چنگل سے چھڑایا جو اِن کے ناموس پر تجاوز کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

درحقیقت جب مصر کے آمر "سنان بن علوان" کو احساس ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی سارہ خدا رسیدہ لوگ ہیں تو وہ ان سے تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور انھیں ہاجرہ نامی ایک کنیز ہدیے کے طور پہ دی (جو بعد میں حضرت ابراہیمؑ کی بیوی بنیں)

ایک دفعہ پھر خدا تعالیٰ کا لطف و کرم حضرت ابراہیمؑ کے شاملِ حال ہوا۔ انھوں نے اس آمر کے جرم کے شر سے نجات پائی اور مصر کی سکونت ترک کر کے فلسطین روانہ ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے شہر خلیل کی سرزمین میں جہاں نہ پانی تھا نہ سبزہ سکونت اختیار کی اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ وہ بلند خیالات کے مالک تھے اور قوم کی بھلائی چاہتے تھے اس لیے انھوں نے ایک آرٹیزین کنواں کھودا جس میں سے پانی خودبخود ابلتا تھا۔ یوں انھوں نے اپنی اور دوسرے لوگوں کی آسائش کا سامان

بہم پہنچایا اور اس سرزمین کو آباد کیا اور اس خشک بیابان کا نام خلیل رکھا۔

جس قوم نے مذکورہ کنویں کے اردگرد سکونت اختیار کی اور اس سے فائدہ اٹھایا وہ بالآخر ناز ونعمت میں غرق ہوکر بدمست ہوگئی اور حضرت ابراہیمؑ کے ارشادات کی مخالفت کرنے لگی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس سرزمین کو چھوڑ دیا اور شہر "قط" کی جانب چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد کنویں کا پانی کم ہونے لگا اور بتدریج خشک ہوگیا۔ [۱]

ابراہیمؑ کی مہمان نوازی

حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کا چرچا عام تھا۔ ہر روز بہت سے لوگ انھیں ملنے جاتے اور ان کے ہاں کھانا کھاتے۔

حضرت ابراہیمؑ جس طرح بھی بن پڑتا مہمان نوازی کا اہتمام کرتے تھے ایک دن کچھ لوگ ان کے گھر آئے لیکن اس وقت ان کے پاس انھیں کھلانے کو کچھ نہ تھا۔ انھوں نے سوچا کہ گھر کی چھت کا ایک شہتیر اکھاڑ کر بیچ ڈالیں اور مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کریں لیکن پھر خیال آیا کہ لوگ کہیں اس لکڑی سے بت نہ تراش لیں لہٰذا اس عمل سے باز رہے۔

بلاشبہ ایک سخی انسان وہی ہوسکتا ہے جو دنیا سے بے نیاز ہو اور اپنی دولت کی طرف سے آنکھیں بند کرلے اور اسے خدا تعالیٰ کی

---

[۱] روضۃ الصفا ۔ جلد ۱ ۔ صفحات ۱۱۲ - ۱۱۳

خوشنودی کی خاطر مہمان پر خرچ کر دے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس پسندیدہ عادت کا ذکر قرآنِ مجید میں تین مواقع پر کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے :

"خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کچھ بندے (حضرت جبرئیلؑ وغیرہ) حضرت ابراہیمؑ کے گھر آئے۔ انھوں نے بلا تامّل ایک بچھڑا باہر نکالا اور ذبح کیا۔ جب گوشت پک کر تیار ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے لا کر مہمانوں کے سامنے رکھا لیکن انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا (کیونکہ فرشتے خورد و نوش سے بے نیاز ہیں)۔

حضرت ابراہیمؑ کو مہمانوں کے اس رویّے سے بڑی کوفت ہوئی کیونکہ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں کھا لیتا تھا تو اس کی خیانت نہیں کرتا تھا اور اگر کوئی مہمان خیانت کی نیّت سے آتا تھا تو پھر وہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔" [1]

تاہم حضرت ابراہیمؑ کو رنجیدہ دیکھ کر خدا تعالیٰ کے فرستادہ بندوں نے کہا : "ہمیں خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اور ہم لوطؑ کی بستیاں تباہ کرنے آئے ہیں۔" [2]

---

[1] روضۃ الصفار۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۷

[2] سورۃ الذاریات (آیات ۲۷-۲۸) سورۃ ہود (آیات ۶۹-۷۰) سورۃ الحجر (آیات ۵۱ تا ۵۳)

حضرت ابراہیمؑ کی اس پسندیدہ عادت کا یہ عالم تھا کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے اور اگر کسی دن کوئی مہمان ان کے گھر پہ نہ آتا تو مہمان کو تلاش کرنے جاتے تھے اور جب کوئی شخص مل جاتا تو اُسے گھر لاکر اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ اگر کوئی مہمان نہ ملتا تو انھیں کھانا کھانا سخت ناگوار گزرتا۔

خلیل اللہ

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بعض خود پسند اور خدا تعالیٰ سے غافل لوگوں کی طرح نہیں تھے کہ اپنے نجی حالات اور بیوی بچوں کے آرام کی طرف توجہ دیے بغیر مہمان نوازی کرتے رہیں۔ یا اگر بیوی کو خرچہ دیں تو اس کا نام مہمانداری رکھ دیں۔

معاشرے کی جونکوں کی طرح حضرت ابراہیمؑ کا قبضہ قومی خزانے پہ بھی نہیں تھا تاکہ وہ اس کو استعمال میں لاتے ہوئے ناپاک لوگوں کی خاطر و مدارات کے لیے شاندار پارٹیاں دیں۔

درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کو جہاں مہمانوں سے محبّت تھی وہاں وہ اپنے بیوی بچّوں پر بھی بے حد مہربان تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بعض اوقات روزی کمانے اور مہمان نوازی کے اخراجات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے میلوں پیدل سفر کرتے تھے تاکہ گھر والوں اور مہمانوں کی آسائش کا سامان فراہم کر سکیں۔

انھوں نے نمرود کے جرائم، خونریزی اور سفاکی پر سے پردہ اٹھایا اور لوگوں کو اس کی بداعمالیوں سے آگاہ کیا۔

کیا ان تمام کوششوں اور اس تمام خدمت کا کوئی صلہ نہیں ملنا چاہیے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان تمام تکالیف کو نظر انداز کر دے؟

سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی عام شخص ہوتا تو جنگ کے ابتدائی مراحل میں ہی اور پہلے محاذ پر شکست کھانے کے بعد مقابلے سے کنارہ کش ہو جاتا لیکن یہ حضرت ابراہیمؑ ہی تھے جو اپنے بے نظیر حوصلے کے ساتھ ایک فولادی پہاڑ کی مانند تمام رکاوٹوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور ہزاروں مشکلات کا مقابلہ کیا۔

بلاشبہ یہ تمام مشکلات برداشت کرنے کا اجر ملتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی جانب سے جو اجر ملتا ہے وہ دولت، عہدہ یا حکومت نہیں، بلکہ وہ روحانی رتبے ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے انھیں سرفراز فرمایا [1]

---

[1] جو اعزازات اور افتخارات حضرت ابراہیمؑ کو دیے گئے ان کی فہرست طویل ہے تاہم مندرجہ ذیل سطور میں قارئین کے لیے ان کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔

۱۔ خلیل الہٰی (سورۃ النساء۔ آیت ۱۲۵) ۲۔ پیغمبر (سورۃ مریم۔ آیت ۴۱)

۳۔ انھیں کتاب دی گئی (سورۃ الاعلیٰ۔ آیت ۱۹) ۴۔ وہ مستجاب الدعوات ہیں۔

۵۔ وہ توبہ کرنے والوں میں سے ہیں (سورۃ التوبہ۔ آیت ۱۱۴۔ لفظ اواہ) ۶۔ وہ بردباروں میں سے ہیں (سورہ التوبہ۔ آیت ۱۱۴۔ لفظ حلیم) (باقی صفحہ ۱۶۲ پر)

غور کیجیے کہ کیا حضرت ابراہیمؑ جو اپنے حقیقی دوست (خدا تعالیٰ) کی راہ میں اپنے بیٹے کی قربانی دے سکتے تھے سخی نہیں تھے؟ اور کیا ان کی سخاوت مہمان نوازی اور بیوی بچوں کی پرورش تک محدود تھی؟

بلاشبہ یہ حضرت ابراہیمؑ ہی تھے جو مہمان تلاش کرنے کے لیے گھر سے نکلے اور جب ایک کوڑھی مل گیا تو اسے ساتھ لے آئے تاکہ اس کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں لیکن جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کا مہمان خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے اور ان کے لیے "خلیل الہٰی" کے اعزاز کا تمغہ لایا ہے۔ [1]

حضرت ابراہیمؑ کو گوناگوں حوادث سے دوچار ہونا پڑا۔ انھیں شکنجوں میں کسا گیا۔ تکلیفیں دی گئیں۔ نمرود کی آگ میں گرایا گیا۔ وہ بدکردار اور بت پرست معاشرے میں گرفتار رہے۔ ان کے ناموس پر خیانت کی نگاہ ڈالی گئی۔ انھوں نے سفر کی صعوبتیں اٹھا کر مصر سے فلسطین ہجرت کی۔ فلسطین کے لوگوں نے انھیں نکال دیا تو شہر قسط کی جانب جانا پڑا۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۱ سے آگے) ۷۔ وہ وعدہ وفا کرنے والوں میں سے ہیں (سورۃ النجم۔ آیت ۳۷) ۸۔ وہ اخیار میں سے ہیں (سورۃ ص۔ آیت ۴۷) ۹۔ وہ برگزیدہ بندوں میں سے ہیں (سورۃ آل عمران۔ آیت ۳۰ اور سورۃ ص۔ آیت ۴۷) ۱۰۔ وہ صالحین میں سے ہیں (سورۃ النحل۔ آیت ۱۲۲) ۱۱۔ وہ قانتین میں سے ہیں۔ (سورۃ النحل۔ آیت ۱۲۰) ۱۲۔ وہ صدیقین میں سے ہیں (سورۃ مریم۔ آیت ۴۱)

[1] اثبات الوصیۃ۔ صفحہ ۲۸

تاہم انھوں نے تمام تکلیفیں برداشت کیں اور اپنی رسالت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

عقل حیران ہے!

حضرت ابراہیمؑ نے ہزاروں زحمتیں اور مشقتیں اٹھائیں اور ایران کے خودسر حکام کا مقابلہ کیا اور زندگی کے ہر مرحلے پر جب بھی موقع میسّر آیا قوم کو یہ بات سمجھائی کہ تم آزاد پیدا کیے گئے ہو لہٰذا ضروری ہے کہ آزاد رہ کر جیو اور آزاد مرو۔ کیا وجہ ہے کہ تم اپنی پیدائش سے لے کر زندگی کے آخری دم تک ہر قدم پر نمرود کے درباریوں کے زیرِ نگرانی رہو؟ آخر تمھاری زندگی اور موت کا اجازت نامہ وہ کیوں جاری کریں؟ تم ان آمروں کا کیوں احترام کرتے ہو جب کہ نہ صرف یہ کہ ان کا وجود تمھارے لیے مفید نہیں بلکہ بیشتر اوقات وہ تم پر سختی روا رکھتے ہیں۔ ٹیکسوں کے بوجھ تلے پیستے ہیں اور تمھارے بچوں کو قتل کر کے نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ تم نے انھیں خدا تعالیٰ کا ہم پلہ کیوں قرار دے رکھا ہے؟ تم کیوں ان کی پرستش کرتے ہو؟ یہ نقصان دہ موجودات ہرگز تعریف و توصیف، پرستش اور احترام کے قابل نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے سمعی تبلیغات کے ساتھ ساتھ بصری تبلیغات سے بھی کام لیا۔ وہ عوامی کاموں میں عملی حصہ لیتے تھے اور عام لوگوں کے دلوں میں امدادِ باہمی اور اتحاد کا بیج بوتے تھے۔ وہ عملاً

خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے تاکہ لوگ براہ راست ہدایت حاصل کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے ایک سو بیس سال کی عمر تک اپنی بیوی سارہ کے ساتھ زندگی گزاری۔ اب ان کے نورانی چہرے پر بتدریج موت کے آثار نمایاں ہونے لگے اور انھیں باخبر کیا کہ سفید بال، ماتھے پر سلوٹیں اور ہاتھ پاؤں اور کمر کا کمزور پڑ جانا سب موت کی نشانیاں ہیں۔

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ موت کا چہرہ اپنی نگاہوں کے سامنے مجسم دیکھ رہے تھے اور خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے بھیجے ہوئے (ملک الموت) کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ تاہم ایک چیز ایسی بھی تھی جس کی بنا پر وہ ذہنی کرب میں مبتلا تھے۔ جو مشکل انھیں درپیش تھی وہ بظاہر امرِ محال تھی اور اس کے بارے میں سوچنا بے فائدہ تھا۔

کیا حضرت ابراہیمؑ جو اب تک مشکلات کا مقابلہ کرتے آئے تھے اس مشکل کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے؟ کیا بابل کے بت شکن مشکلات کا مقابلہ کرنے کے عادی نہ تھے کہ اس مشکل کو حل کر سکتے؟

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ ایک صابر، ثابت قدم اور متوکّل انسان تھے اور ہر اس مشکل کا مقابلہ کر سکتے تھے جس کے لیے صبر و استقامت درکار ہو لیکن صورت یہ تھی کہ یہ مشکل صبر و استقامت سے حل نہیں ہو سکتی تھی اس مشکل کی گرہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے ہی کھل سکتی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی مشکل یہ تھی کہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی اور یہ مشکل خداوند دانا و توانا ہی حل کر سکتا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے سوچا کہ یہ معاملہ خداوندِ عالم کے حضور میں پیش کیا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے تاکہ ان کی یہ مشکل حل ہو۔ چنانچہ وہ مناجات میں مشغول ہو گئے اور خدا تعالیٰ سے فرزند کی درخواست کی[۱] تاکہ شاید وہ ربِّ جلیل ان پر اور ان کی بیوی سارہ پر جن کی عمر اس وقت بالترتیب ۱۲۰ سال اور ۹۰ سال تھی اپنا کرم فرمائے اور ان کے فرزند اور جانشین کا مسئلہ حل ہو جائے۔

درحقیقت چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کی عمر اب ۵۰-۶۰ سال سے متجاوز ہو چکی تھی اس لیے بظاہر اس کا صاحبِ اولاد ہونا امر محال تھا۔ تاہم خدا تعالیٰ کی مرضی تمام مشکلات پر حاوی ہے اور غیر عادی چیزیں اس کے لیے بالکل معمولی اور ناچیز ہیں۔

وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم! ہم تمہیں فرزند عنایت کرنے والے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے متعجّب ہو کر کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد نصیب ہو![۲]

حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ نے اپنا چہرہ پیٹتے ہوئے کہا:

"میں یقین نہیں کر سکتی کہ میں بچّے کو جنم دوں گی کیونکہ میں بوڑھی اور بانجھ ہوں[۳] میں خود بھی بوڑھی ہوں

---

[۱] سورۃ الصّٰفّٰت۔ آیت ۱۰۰ (..... رب ھب لی من الصالحین ......)

[۲] سورۃ الحجر۔ آیت ۵۴ (..... ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر ....)

[۳] سورۃ الذاریات۔ آیات ۲۸-۲۹ (..... فصکت وجہھا وقالت عجوز عقیم ....)

اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔ میرا بچّہ جننا ایک عجیب بات ہو گی۔" [۱]

بچاری سارہ کو معلوم نہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا پروگرام مشکلات اور مصائب سے ترتیب دیا گیا ہے اور عجیب و غریب باتوں سے ان کی فطرت کا گہرا رابطہ ہے۔

دُوسری بیوی!

جب فرعونِ مصر حضرت ابراہیمؑ پر فتح پانے اور ان کی بیوی سارہ کو ان سے چھیننے میں ناکام رہا تو اس نے ہاجرہ نامی ایک کنیز حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو بطورِ تحفہ پیش کی۔

حضرت ابراہیمؑ اور سارہ کی گھریلو زندگی سالہا سال سے بغیر کسی شور اور ہنگامے کے بسر ہو رہی تھی اور بغیر اس کے کہ وہ بچّہ پیدا نہ ہونے کی ذمّے داری ایک دوسرے پر ڈالیں وہ اپنے دن کاٹتے رہے۔

درحقیقت حضرت ابراہیمؑ اور سارہ کو علم تھا کہ اولاد دینا یا نہ دینا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس سلسلے میں دونوں میں سے کوئی بھی موردِ الزام نہیں ہے کیونکہ یہ ربِّ جلیل ہی ہے جو کسی کو بیٹی دیتا ہے اور کسی کو بیٹا۔ کسی کو بیٹا بیٹی دونوں دیتا ہے اور کسی کو اپنی مصلحت

---

[۱] سورۃ ہود۔ آیت ۷۲ (...... ءَ الِدُ وانا عجوز و هٰذا بعلی شیخا ......)

کے تحت بانجھ رکھتا ہے تاکہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ [1]

حضرت ابراہیمؑ نے فقط دعا اور مناجات پر ہی قناعت نہ کی اور اولاد کی خواہش کو صرف الفاظ تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ سارہ کی رضامندی حاصل کر کے اس کی کنیز ہاجرہ سے شادی کر لی۔ سارہ کا خیال تھا کہ ممکن ہے ان کی ہمبستری کے نتیجے میں کوئی بچّہ پیدا ہو جائے اور اس کا یہ خیال بالکل سچا تھا۔

شاید سارہ نے یہ سوچا کہ اگر ہاجرہ کا بچّہ پیدا ہو بھی گیا تب بھی آخر وہ میری کنیز رہی ہے اور میرے لیے کوئی الجھن پیدا نہ کرے گی اور یوں حضرت ابراہیمؑ کی مشکل بھی حل ہو جائے گی اور ہماری گھریلو زندگی میں ایک نئی رونق آجائے گی۔

سارہ نے اپنی کنیز ہاجرہ، حضرت ابراہیمؑ کو بخش دی [2] اور حضرت ابراہیمؑ کے اس کے ساتھ ہمبستر ہونے کے کچھ عرصے بعد خدا تعالیٰ نے ہاجرہ کو ایک لڑکا عنایت کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس لڑکے کا نام اسمٰعیل رکھا۔

حسد اور حُسن

سارہ نے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ہاجرہ کو انھیں بخش دیا

---

[1] سورۃ الشوریٰ۔ آیات ۴۹-۵۰ (.... او یزوجہم ذکراناواناثا....)

[2] تاریخ کامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۸

تاکہ وہ بچّے کو جنم دے لیکن جب اس کا بچّہ پیدا ہو گیا تو سارہ کی ہمّت اور شکیبائی جواب دے گئی اور اس نے سوچا کہ حضرت ابراہیمؑ، ہاجرہ کا زیادہ خیال رکھنے لگے ہیں اور ممکن ہے کہ مجھے گھر سے نکال دیں۔ یہ غلط اور خام زنانہ سوچ رنگ لائی اور نتیجہ یہ ہوا کہ سارہ نے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور بے حد رنجیدہ اور غمگین ہو گئی۔ وہ یہ بھی سوچتی تھی کہ اسمٰعیلؑ نبوّت کا وارث بنے گا اور یہ افتخار ہاجرہ کی اولاد کو نصیب ہو جائے گا اور وہ خود اس عظیم فیض سے محروم رہ جائے گی۔

دوسری جانب ہاجرہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی اور جلد ہی اس کے بیٹے کو حضرت ابراہیمؑ کا جانشین بننا تھا اور نبوت اور قوم کی قیادت کا منصب سنبھالنا تھا۔

بھُنا ہوا بچھڑا

بارگاہِ الٰہی سے مامور کیے ہوئے فرشتے لوط کی سرزمین کو تہہ و بالا کرنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچے اور ان کے مہمان ہوئے اسی موقع پر حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت دی گئی اور اسی مہمانداری کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا اور فرشتوں کو پیش کیا لیکن انھوں نے اسے نہیں کھایا۔ اور حضرتِ لوطؑ کی نافرمان قوم کو تباہ کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہاجرہ اور سارہ کی رقابت نہ صرف یہ کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت

کی بشارت ملنے پر دُور نہ ہوئی بلکہ ان کی ولادت کے بعد بھی ختم نہ ہوسکی۔

حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا بلند کیے اور خدا سے اس مشکل کے حل کرنے کی درخواست کی۔ اس پر وحی نازل ہوئی:

"اے ابراہیمؑ! عورت ایک ٹیڑھی ہڈی کی مانند ہے۔ اگر تم اس سے نرمی برتو تو اس کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہو اور اگر اس کی تربیت اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور تم اس سے استفادہ نہیں کر سکو گے۔" [۱]

بلاشبہ عورت خواہ کتنی ہی پڑھی لکھی اور فہم وشعور کی مالک ہو پھر بھی وہ موجوداتِ عالم اور حوادثِ زندگی کو جذبات، احساسات اور حسن وجمال کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتی ہے اور چونکہ وہ ایک جذباتی مخلوق ہے اس لیے عقل کا فرمان کم ہی مانتی ہے۔

خداوندِ عالم نے فقط حضرت ابراہیمؑ کو نصیحت کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے وعدے پر عمل کیا اور سارہ کی زندگی کے آخری دور میں اُسے ایک بیٹا عنایت فرمایا۔ بیٹے کی ولادت کے بعد سارہ کا غم وغصہ بھی کسی حد تک کم ہو گیا اور وہ احساسِ کمتری جو بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اور ہاجرہ کے مقابلے میں اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا اور دن بدن بڑھتا جا رہا تھا دور ہو گیا اور اس احساس کے دُور کرنے یا ہاجرہ کو دُکھ

---

[۱] مثل المرئة كالضلع المكسور ان تركتها استمتت بها وان اقمتها كسرتها۔

پہنچانے کا خیال بھی اس کے دماغ سے نکل گیا......

احتیاط نہ برتی گئی

ہاجرہ کا بیٹا بڑا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی حرم سرا کا منظورِ نظر شمار ہوتا تھا۔ ایک طرف ہاجرہ کے اپنے بیٹے کے لاڈ چاؤ اور دوسری طرف دونوں بیٹوں کے لیے اظہارِ محبت کے سلسلے میں حضرت ابراہیمؑ کی بے احتیاطی کی وجہ سے سارہ ایک دفعہ پھر شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گئی۔

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ سے ایک بے احتیاطی ہو گئی۔ انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کے مابین مقابلہ کرایا تاکہ وہ روحانی اور جسمانی لحاظ سے مضبوط ہو جائیں۔ اس مقابلے میں حضرت اسمٰعیلؑ جو حضرت اسحٰقؑ سے عمر میں بڑے تھے جیت گئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو شاباش دینے کے لیے انھیں اپنے گھٹنے پر بٹھایا جب کہ حضرت اسحٰقؑ کو اپنے پہلو میں جگہ دی۔ حالانکہ یہ تفاوت ہار جیت کی بنا پر تھا لیکن سارا کو بے حد ناگوار گزرا۔ چونکہ وہ دلی طور پر پہلے ہی ہاجرہ اور اس کے بیٹے کے خلاف تھی لہٰذا اس نے حضرت ابراہیمؑ پر دباؤ ڈالا کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ماں کو ملک بدر کر دیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے حکمِ خداوندی کے مطابق اور اس طویل ازدواجی زندگی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جو انھوں نے سارہ کے ساتھ گزاری تھی اور بعض دیگر مصلحتوں کی بنا پر سارہ کا کہا مان لیا اور حضرت اسمٰعیلؑ اور ان

کی والدہ کو ایک بے آب وگیاہ بیابان میں جلاوطن کردینے کا فیصلہ کیا۔

خود اپنی بے احتیاطی کے نتیجے میں اور سارہ کی ضد کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ ان ماں بیٹے کا ہاتھ پکڑیں اور خداوند کریم کی رہنمائی کے سہارے سرزمین فاران (مکّہ) کی جانب روانہ ہوجائیں۔ حضرت ابراہیمؑ خداتعالیٰ کے حکم کے مطابق اور سارہ کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے یا حضرت جبرئیل کی رہنمائی میں[1] حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ماں کو مکّہ کے تپتے ہوئے بیابان میں لے گئے جہاں نہ کوئی جاندار تھا نہ پانی نہ سبزہ اور نہ کوئی کھانے پینے کی چیز اور وہاں لے جاکر انھیں کوہستان میں چھوڑ دیا۔

آخری نگاہ

حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ سواری کے جانوروں سے اُترے۔

سرزمین مکّہ کی شدید گرمی نے انھیں سخت پریشان کیا اور ان کا پانی کا ذخیرہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ اپنی جلاوطنی کی منزل تک پہنچنے میں انھیں کئی دن لگ گئے تھے اور ان کا کھانے کا سامان بھی ختم ہوچلا تھا۔

ایک ایسی سرزمین میں جہاں نہ پانی ہے نہ سبزہ اور نہ ہی کوئی جاندار رہتا ہے یہ ماں اور بیٹا ایک لمبے سفر کی صعوبتیں اُٹھا کر پہنچے ہیں۔ اب وہ کیا کریں؟ کس جاندار کا سہارا ڈھونڈیں؟ کون سے چشمے کا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائیں؟ بیابان کے کون سے سبزے سے اپنی بھوک مٹائیں اور اپنی زندگی

---

[1] تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ اور روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۲

کی حفاظت کریں ؟

ہاجرہ نے ایک ایسی نگاہ سے جس سے حسرت و یاس اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے لیے محبت برس رہی تھی انھیں مخاطب کر کے کہا :

"میں اس بے آب و گیاہ تپتے ہوئے بیابان میں کیا کروں ؟ کھانا پانی کہاں سے لاؤں ؟ "

ہاجرہ کے غمزدہ چہرے اور اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسوؤں نے حضرت ابراہیمؑ کو بے حد متاثر کیا اور وہ بے اختیار بول اُٹھے :

" اے ہاجرہ ! میں اس بات پر مامور تھا کہ تمھیں اس سرزمین میں چھوڑ کر واپس چلا جاؤں ۔ تمھارا پیدا کرنے والا تمھارا نگہبان ہے ۔ وہ تمھیں فراموش نہیں کرے گا "

اس وقت جب حضرت ابراہیمؑ اپنی نئی بیوی اور پیارے بیٹے کے چہروں پر آخری نگاہ ڈال رہے تھے انھوں نے خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دستِ دعا بلند کیے اور مناجات میں مشغول ہو کر عرض کیا : [1]

" بارِ خدایا ! میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسے بیابان میں لا کر چھوڑ دیا جس میں کوئی سبزہ نہیں اُگتا (اور جہاں لوگوں کی کوئی آمد و رفت نہیں) میں نے اپنی اولاد کو اس گھر کے پاس چھوڑا

---

[1] روضۃ الصفا ۔ جلد ۱ ۔ صفحہ ۱۲۳

اے خداوندا! ہے جو تیرا حرم ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں
میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف
مائل کر اور انھیں طرح طرح کے پھلوں سے روزی عطا کر
تاکہ یہ لوگ تیرا شکر ادا کریں ......"[۲]

جب حضرت ابراہیمؑ ان جلاوطن ماں بیٹے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں آخری دعا مانگ رہے تھے انھوں نے آخری دفعہ ان کے چہروں سے نگاہ ہٹائی اور سرزمین مکہ کو چھوڑ کر چل دیے اور آہستہ آہستہ ان سے دُور ہوتے گئے۔ ہاجرہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں وہ آنکھ کے ایک گوشے سے اپنے بتدریج دور ہوتے ہوئے شوہر پر نگاہ ڈالتیں اور دوسرے گوشے سے حضرت اسمٰعیل کے ناتوان جسم کو دیکھتیں اور کبھی بلند و بالا پہاڑوں کو غور سے دیکھتیں جن کی سیاہ رنگت سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان میں سے دھواں اٹھ کر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔

وہ آنکھوں میں آنسو لیے حضرت اسمٰعیلؑ کے ناتواں جسم کو دیکھتیں اور سوچتیں کہ کیا میرے لیے ممکن ہے کہ اس کے لیے کھانا فراہم کروں اور اس کی پیاس بجھانے کا بندوبست کروں؟ کیا یہاں کسی انسان کا ملنا

---

[۱] خانہ کعبہ کی بنیاد حضرت آدم کے ہاتھوں پڑی۔ کچھ مدت کے بعد وہ عمارت گر گئی لیکن چونکہ اس کے آثار باقی تھے اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے اسے "گھر" کے نام سے یاد کیا۔ [۲] سورۂ ابراہیم۔ آیت ۳۷ (.... وارزقھم من الثمرات....)

ممکن ہے جس سے میں بات کرسکوں ؟

جب ہاجرہ اپنے آپ سے یہ سوالات کر رہی تھیں حضرت ابراہیمؑ کا پیکر مکہ کی پہاڑیوں میں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور انھوں نے اپنے شوہر پر آخری نگاہ ڈالی۔

پریشان حال ماں

پیاس نے ہاجرہ کا دماغ ماؤف کر رکھا تھا۔ ان کے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا اور خیالات پریشان۔ ان ذہنی اثرات کے ساتھ ساتھ ان کے دل کی فریاد ایک دردناک چیخ کی طرح ان کے کانوں میں پہنچتی اور انھیں یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی انھیں آواز دے رہا ہو۔

یہی خیالی آواز ایک دفعہ صفا سے اور ایک دفعہ مروہ سے ان کے کانوں تک پہنچی اور انھیں خیال ہوا کہ کوئی ان کے حال پر ترس کھا کر پانی لے آیا ہے۔ یوں کہیے کہ مکہ کی تپتی ہوئی چٹانوں نے ان کے لیے پانی فراہم کیا ہے اور بیابان کے درندے کھانا لے کر آرہے ہیں۔

کچھ بھی تھا ہاجرہ صفا سے مروہ تک اور پھر مروہ سے صفا تک دوڑتی رہیں[1] تاکہ کسی آواز دینے والے کی شکل نظر آئے یا کہیں سے پانی دستیاب ہو سکے لیکن وہ جس قدر تلاش کرتیں پانی کا نام و نشان تک نظر نہ آتا اور جب تمام ظاہری وسیلے مفقود ہو گئے تو وہ پہاڑ پہ بیٹھ کر

---

[1] انھوں نے یہ عمل سات مرتبہ دہرایا (روضۃ الصفا۔ جلد ا۔ صفحہ ۱۲۳)

اپنا دردِ دل اپنے پروردگار سے بیان کرنے لگیں۔[۱]

پریشان حال ہاجرہ کیا کرتیں۔ کس سے مدد مانگتیں؟ پہلا خیال جو ان کے دماغ میں آیا وہ یہ تھا کہ کہیں نہ کہیں سے پانی کا ایک چشمہ ڈھونڈ نکالیں تاکہ اپنی اور اپنے پیارے بیٹے کی پیاس بجھا سکیں۔

نو عمر بچّے کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بھوک اور پیاس کے مارے بلبلا رہا تھا تاکہ شاید کوئی اس کی فریاد کو پہنچے یا اس کی پریشان حال ماں اسے اپنی گود میں لے لے اور کم از کم اسے پیار ہی کرے۔

ہاجرہ اس پتھریلی سرزمین میں بڑی تیزی سے اِدھر اُدھر بھاگتی پھریں لیکن انھیں کہیں بھی پانی نہ ملا[۲] ہر طرف سے نا اُمید ہو کر وہ اپنے پیارے بچّے کے پاس پہنچیں تاکہ شاید اُسے دیکھ کر ان کے دل کو ٹھنڈک پہنچے اور دن بھر کی کوفت دُور ہو جائے لیکن حضرت اسمٰعیل بھوک پیاس اور اکیلے پڑے پڑے رونے کی وجہ سے جاں بلب تھے اور انھیں دیکھ کر غمزدہ ماں کو کوئی خوشی نہ ہوئی۔

حضرت اسمٰعیلؑ واقعی قریب المرگ تھے ان کی سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور شاید یہ ان کی زندگی کی آخری گھڑیاں تھیں۔ ان کا رنگ زرد اور ناک سیاہ ہو گئی تھی اور آنکھوں کی سفیدی بڑھ گئی تھی۔ ان کی سیاہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ موت کی ان علامات

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ اور روضۃ الصفا جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۳)

[۲] تاریخ طبری۔ جلد ۱ صفحہ ۱۷۹

کے ساتھ وہ اپنی پیاری ماں کو اور دنیا کو خدا حافظ کہہ رہے ہیں!

ماں نے ایک حسرت آمیز نگاہ اپنے عزیز فرزند پر ڈالی اور اس کے چہرے پر موت کے آثار دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت قریب آ پہنچا ہے۔ وہ بے اختیار کہنے لگیں:

"آہ! میرے نورِ نظر! میں نے پانی کی تلاش میں بیابان اور صفا اور مروہ کی پہاڑیاں چھان ماری ہیں مگر مجھے پانی نہیں ملا۔ اے کاش! میں تیری سلامتی کی خاطر اپنی جان دے کر پانی کا ایک قطرہ تیرے لیے حاصل کر سکتی! لیکن میں کیا کروں یہاں کوئی جاندار بھی موجود نہیں ہے جسے میں اپنی جان پیش کر دوں تاکہ تو سیراب ہو سکے! اس بیابان میں پانی اور سبزے کا نام و نشان تک نہیں۔

اے ربِّ جلیل! میں اپنے پیارے بیٹے کی موت کا منظر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی۔ بارِ الٰہ! میں کدھر جاؤں؟ کس سے مدد مانگوں؟ کس کے پاس پناہ ڈھونڈوں؟

میں کیوں نہ کوہِ صفا اور کوہِ مروہ پر جاؤں اور کیوں نہ اِدھر اُدھر کے بیابانوں میں دیکھوں۔ ممکن ہے کہیں پانی مل جائے ہو سکتا ہے کوئی انسان نظر آ جائے!"[1]

ہیں! بیابان کے اس گوشے میں مجھے پانی نظر آ رہا ہے میں ابھی وہاں

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۹

پہنچ کر اپنے نورِ نظر کے لیے پانی لاتی ہوں۔

اے جلا وطن شدہ ہاجرہ! آپ کو غلطی لگی ہے۔ آپ تکلیف اٹھا کر یہاں آپہنچیں لیکن یہ پانی نہیں تھا بلکہ سراب تھا۔ اس سرزمین میں پانی نہیں ملتا۔

میں کسی بلند جگہ پر پہنچ کر آواز دیتی ہوں۔ شاید کہیں بلندی پر کوئی جاندار موجود ہو یا وادی میں کوئی انسان ہوں جو میری آواز کا جواب دیں۔

ہاجرہ نے کوہِ صفا کی چوٹی پر پہنچ کر آواز دی: کیا اس سرزمین میں کوئی جاندار ہے؟ لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ اب وہ کوہِ صفا سے نیچے اُتریں اور کوہِ مروہ پر چڑھ کر آواز دی: کیا اس سرزمین میں کوئی جاندار ہے؟ لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ یہ عمل انھوں نے کئی مرتبہ دہرایا لیکن بے سود۔ جو کچھ انھیں نظر آیا وہ سراب کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

چشمۂ زم زم

ہاجرہ نے ارادہ کیا کہ اس تپتے ہوئے خوفناک بیابان کو چھوڑ دیں اور اس سرزمین سے نکل جائیں تاکہ اپنے فرزند کو دم توڑتے ہوئے نہ دیکھیں لیکن چونکہ خدائے متعال انسان کی زندگی کے بحران کے آخری لمحات میں اس کی فریاد کو پہنچتا ہے اور اگر اس میں بندے کی بھلائی ہو تو اسے پریشانی سے نجات دیتا ہے اس لیے اس نے

عمزدہ ماں کی فریاد بھی سُن لی۔

ہاجرہ نے اپنے فرزند کے پژمُردہ چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالی تاکہ دُور سے اس کا ناتواں پیکر دیکھ لیں اور پھر اسے موت کے سپرد کر کے رخصت ہو جائیں لیکن اچانک انھوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے نزدیک پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ [1]

ہاجرہ اپنے آپ سے کہنے لگیں:

"اے ہاجرہ پانی کا چشمہ! پانی کا چشمہ! اسمٰعیلؑ کے نزدیک!
نہیں تجھے غلطی لگی ہے۔ یہ سراب ہے جسے تو کئی مرتبہ دیکھ کر دھوکا کھا چکی ہے اور بیابانوں میں کئی چکر لگا چکی ہے۔
نہیں تم غلطی کھا رہی ہو۔ سراب وسیع ہوتا ہے اور زیادہ جگہ گھیرتا ہے لیکن یہ پانی کا چشمہ ہی ہے جو کہ بہت چھوٹا سا ہے اور اسمٰعیلؑ کے نزدیک ظاہر ہوا ہے۔"

یوں سمجھیے کہ ہاجرہ کو خدا نے ساری دنیا دے دی۔ وہ پھولی نہیں سمانی تھیں۔ جتنی جلدی ہو سکا وہ اسمٰعیلؑ اور پانی کے چشمے کے پاس پہنچیں خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ انھوں نے فوراً ایک مشک پانی کی بھری اور پھر چشمے کے ارد گرد مٹی ڈال دی تاکہ پانی تھم جائے اور کہا زم زم (تھم تھم) پانی تھم گیا اور اس دن سے ماں بیٹے کی مشکلات بتدریج دُور ہونے لگیں۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۹

نہ جانے اگر ہاجرہ پانی کو تھمنے کے لیے نہ کہتیں تو یہ چشمہ بہتا رہتا اور اس کا پانی ہمیشہ جاری رہتا۔

بلاشبہ جب خداوند کریم انسان کی مدد کرنا چاہتا ہے تو وہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ سنگِ خارا میں سے میٹھا پانی پیدا کر دے۔ گو بظاہر پانی کا چشمہ حضرت اسمٰعیلؑ کے زمین پر پاؤں رگڑنے سے پیدا ہوا لیکن پھر بھی یہ خدائے بزرگ و برتر کی قدرت کا ایک مظہر ہے کہ اس نے اس غمزدہ ماں کو پیاس سے نجات بخشی۔

قبیلۂ جرہم

زمزم کے چشمے کی بدولت ہاجرہ اور ان کے فرزند کا پانی کا مسئلہ حل ہو گیا اور پانی برآمد ہونے کے بعد پرندوں کے جھُنڈ کے جھُنڈ اپنی پیاس بجھانے کے لیے اُڑ اُڑ کر آنے لگے۔ پرندوں کی پرواز نے فضا کا نقشہ ہی بدل دیا اور ان کی مسرت اور لطف اندوزی سے ظاہر ہو گیا کہ اس وادی میں کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے۔ قبیلۂ جرہم کے لوگوں نے جو اس سرزمین کے نزدیک ہی سکونت پذیر تھے یا اس طرف سے گزرا کرتے تھے پرندوں کے شور و غل اور ان کے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر بیٹھنے سے یہ اندازہ لگایا کہ اس خشک سرزمین میں پانی پیدا ہو گیا ہے۔ یہ پتا چلنے کے بعد انھوں نے اس نئے چشمے اور جلا وطن شدہ ماں بیٹے کے نزدیک پہنچنے کے لیے ان کی تلاش شروع کر دی۔

جس راستے سے پرندے اُڑ اُڑ کر آجا رہے تھے اسی راستے کی سیدھ میں چلتے چلتے وہ لوگ زمزم کے چشمے تک جا پہنچے اور دیکھا کہ وہ میٹھے پانی سے لبریز ہے اور پرندے اس سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ چشمے کے نزدیک ہی انھوں نے ایک عورت اور ایک بچّے کو بھی حیران و پریشان بیٹھے ہوئے دیکھا۔

قبیلۂ جرہم کے نمائندوں نے بڑے تعجّب سے پوچھا:

"آپ لوگ پریوں کے خاندان سے ہیں یا انسان ہیں؟ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں اور کس مقصد سے اس کوہستان میں آئے ہیں؟"

ہاجرہ نے جواب دیا:

"میں انسان ہوں۔ میرے شوہر ابراہیمؑ کی دوسری بیوی (سارہ) کے اور میرے درمیان رقابت کی وجہ سے مجھے اس بنجر زمین میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ ابراہیمؑ ہمیں لائے اور چھوڑ کر چلے گئے۔ میں حیران تھی کہ پانی کہاں سے لاؤں لیکن خداوند کریم نے میرے شیر خوار بچے پر اپنا کرم فرمایا اور اسے پیاس سے نجات دی۔ یہ چشمہ میرے بیٹے اسمٰعیلؑ کے پاؤں کے نیچے سے نمودار ہوا ہے اور اب پرندے اور ہم دونوں اس کا پانی استعمال کرتے ہیں۔"

جرہم کے نمائندے نے کہا:

"کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم چشمے کے آس پاس ڈیرے ڈال دیں اور اپنی تھکاوٹ دور کریں اور آپ کے قریب ہی سکونت اختیار کرلیں؟"

ہاجرہ نے جواب دیا:

"آپ لوگ چشمے کا پانی استعمال کرسکتے ہیں لیکن خود چشمے پر آپ کا کوئی حق نہ ہوگا۔"

جرہم کے نمائندوں نے واپس جاکر اپنے قبیلے کے لوگوں کو صورت حال سے مطلع کیا اور وہ سبھی آئے اور چشمے کے اردگرد آباد ہوگئے۔ قبیلۂ جرہم کے بعد قطورار کے قبیلے کے لوگ بھی مکہ کی سرزمین میں آپہنچے اور اس بنجر علاقے میں ایک نئی رونق آگئی۔

سچ تو یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی فرد، قوم یا سرزمین پر مہربان ہوتا ہے تو مختلف ذرائع سے ان کی مشکلات دور کردیتا ہے اور اپنے بندوں کو ذہنی پریشانی سے یوں نجات بخشتا ہے کہ بے شمار عقلمند لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

باپ بیٹے کی ملاقات

حضرت اسمٰعیلؑ نے ۱۵ سال اپنی والدہ کے ساتھ سرزمین مکہ میں گزارے اور جب وہ سنِ شعور کو پہنچ رہے تھے تو ہاجرہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ قبیلۂ جرہم کے لوگوں نے ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے

اپنی قوم کی ایک لڑکی ان سے بیاہ دی۔ [۱]

یوں حضرت اسمٰعیلؑ لڑکپن کو خیر باد کہہ کر جوانی کی حد میں داخل ہوئے اور ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے شکار کا شغل اختیار کیا۔ اس ذریعے سے جو کچھ دستیاب ہوتا دونوں میاں بیوی مل کر صرف کرتے۔

کافی عرصے سے حضرت ابراہیمؑ کو ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی اور وہ ان سے کوئی رابطہ بھی قائم نہیں کر پائے تھے۔ بالآخر آپ نے ان سے ملنے کا ارادہ کیا اور طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے سرزمین فلسطین سے مکہ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر وہ اپنی بیوی ہاجرہ سے ملاقات نہ کر سکے کیونکہ وہ پہلے ہی ملکِ عدم کو سدھار چکی تھیں۔ [۲]

جب حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر پر پہنچے اور اپنے بیٹے کے متعلق دریافت کیا تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ وہ کھانے پینے کا بندوبست کرنے جنگل میں گئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا: تم لوگوں کی حالت کیسی ہے؟

حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی نے جواب دیا: ہماری حالت سخت خراب ہے اور ہم بے حد تکلیف میں زندگی گزار رہے ہیں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: جب تمھارا شوہر واپس آئے

---

[۱] روضۃ الصفاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۵

[۲] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۱۶

تو اس سے کہنا کہ اپنے گھر کے دروازے کی دہلیز بدل دے۔

حضرت ابراہیمؑ یہ الفاظ کہہ کر چل دیے اور اپنے بیٹے سے ملاقات کیے بغیر فلسطین روانہ ہو گئے۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس آئے تو انھوں نے گھر کی حالت کا بغور معائنہ کیا اور قرائن سے سمجھ گئے کہ ان کے والد مکہ آئے تھے اور واپس چلے گئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا:

"کیا میرے والد نے تم سے کچھ کہا۔؟"

ان کی بیوی نے جس کا نام عمرہ تھا جواب دیا:

"جی ہاں! وہ مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ میں آپ کو بتا دوں کہ آپ اپنے گھر کے دروازے کی دہلیز بدل دیں۔"

حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا:

"وہ بزرگوار میرے والد تھے اور میرے گھر کے دروازے کی دہلیز تم ہو۔ میں تمھیں مہمان نوازی اور حسنِ سلوک میں کوتاہی برتنے کی بنا پر طلاق دیتا ہوں۔"[۱]

یوں حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے والد بزرگوار کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور ایک دوسری عورت سے شادی کر لی۔[۲]

حضرت ابراہیمؑ نے ایک دفعہ پھر اپنے جلاوطن شدہ بیٹے سے

---

[۱] روضۃ الصفا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۵

[۲] تاریخ الکامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۰

ملنے کا ارادہ کیا اور مکہ روانہ ہو گئے لیکن جب حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر پہنچے تو وہ موجود نہ تھے۔ آپ حضرت اسمٰعیلؑ کی نئی بیوی سے ملے اور پوچھا:

"تمھارا شوہر کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے وہ شکار کو گئے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا:

"آپ لوگوں کی حالت کیسی ہے؟"

حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی نے جواب دیا:

"ہم بڑی آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ سواری سے اُتریں اور کچھ دیر آرام فرمائیں اور سفر کی تھکان اتاریں۔ اب وہ بھی آنے ہی ہوں گے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

"آپ کے حسنِ سلوک کا بہت بہت شکریہ لیکن مجھے جلدی واپس جانا ہے۔"

وہ کہنے لگیں:

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کو یوں نہیں جانے دوں گی۔"

پھر حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی کچھ پانی لائیں اور حضرت ابراہیمؑ کے سر اور پاؤں دھلوائے۔

بہر حال حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بہو کو خدا حافظ کہا اور ہدایت کی

کہ جب اسمٰعیلؑ واپس آئیں تو انھیں کہہ دینا کہ ایک بوڑھا شخص آیا تھا اور کہہ گیا ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز کا خیال رکھّو۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ شکار سے واپس آئے اور انھیں واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس جگہ کو بوسہ دیا جہاں ان کے والد بزرگوار نے قیام فرمایا تھا اور ان کی زیارت سے محروم رہنے پر بے حد متاسف ہوئے۔

اسمٰعیلؑ کا اضطراب

حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو ایک تپتے ہوئے بے آب و گیاہ بیابان میں جلا وطن کر دیا گیا اور بظاہر یہ امر قرینِ عقل نہیں تھا اور حضرت ابراہیمؑ جیسے بزرگوار سے جو ظلم و ستم کے خلاف انقلاب کے رہنما تھے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی لیکن اگر انسان صبر اور حوصلے سے کام لے تو کچھ مدّت گزرنے کے بعد دنیا کے حوادث کے اسرار واضح ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

آبِ زمزم کے نمودار ہونے اور جرہم کے قبیلے کے لوگوں کے وہاں آکر آباد ہو جانے سے مکہ کی سرزمین کی آبادی کی داغ بیل پڑ گئی۔

دوسری جانب انسان فطری طور پر ہمیشہ اپنے خالق کی طرف متوجّہ رہا ہے اور ہر دور میں اپنی عقل اور ماحول کے مطابق اس نے ایک معبود پیش نظر رکھا ہے اور اس کی حمد و ثنا اور پرستش کی ہے۔ اگرچہ

اکثر اس نے درختوں، انسان، سونے، سورج، چاند، ستارے اور گائے وغیرہ کی پرستش کی ہے اور بعض اوقات ایک قدم آگے بڑھ کر آلاتِ تناسل کو اپنا معبود قرار دیا ہے لیکن یہ تمام معبود ایک قطعی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور وہ ہے معبود کی پرستش۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور قبیلۂ جرہم کے لوگوں نے اپنے خدا کے لیے ایک عبادت گاہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ایک اجتماعی نقص کو دور کریں اور اپنی متاعِ گم گشتہ کو دوبارہ حاصل کر کے اس کی تعریف اور عبادت کریں اور یوں اپنا ذہنی اضطراب دور کریں اور جو مسافر مکہ کی سرزمین سے گزریں ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اس مقدس مقام پر جا کر اپنی روحانی اور اخلاقی مشکلات دور کریں اور تزکیۂ نفس کریں۔

جو عبادت گاہ وہ تعمیر کرنا چاہتے تھے وہ سالہا سال پہلے خدا تعالیٰ کی عنایات کا مرکز رہی تھی اور لوگ اکثر وہاں آکر اپنے پروردگار کی حمد و ثنا اور عبادت کیا کرتے تھے لیکن طوفانِ نوحؑ وغیرہ جیسے حوادث زمانہ نے اسے بے حد نقصان پہنچایا تھا۔

درحقیقت یہ وہی عبادت گاہ تھی جسے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا اور یہی پہلی عمارت تھی جس کی بنیاد روئے زمین پر رکھی گئی [1] یہ عمارت ایک مدت تک پیشوایانِ دین کی توجہ کا مرکز رہی اور وہ اپنے

---

[1] سورۃ آل عمران۔ آیت ۹۰ (...... ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا ...)

پیروؤں کے ساتھ یہاں آکر پروردگار عالم کی عبادت کیا کرتے تھے۔

بادل کی آمد

حضرت ابراہیمؑ ایک دفعہ پھر بیٹے سے ملنے کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ان کے ذمّے یہ فریضہ بھی تھا کہ اپنے بیٹے کے لیے ایک عبادت گاہ تعمیر کریں اور خدائے واحد کی پرستش کی جانب اس کی رہنمائی کریں۔

حضرت ابراہیمؑ حیران تھے کہ اس بے آب و گیاہ اور سنگلاخ سرزمین میں خانۂ خدا کی بنیاد کہاں رکھیں۔ وہ اس فکر میں سرگرداں تھے کہ باہر سے آنے والے زائرین اور مکہ کے مقامی لوگوں کی عبادت گاہ کے طور پر کون سی جگہ مناسب ہوگی اور اس سلسلے میں کیا اقدام کرنا چاہیئے؟

دستِ غیب نے ان کی مدد کی اور آواز آئی کہ جہاں بادل کا سایہ پڑے وہیں عبادت گاہ کی دیواروں کے لیے زمین پر نشان لگا دیں اور اس کے مطابق عمارت کھڑی کریں۔ [۱]

حضرت اسمٰعیلؑ کو شکار کا بڑا شوق تھا اور ان کے لیے اپنی اس عادت کا ترک کرنا بہت مشکل تھا لیکن اپنے والد بزرگوار کی اطاعت اور خدا تعالیٰ کی راہ میں کوشش ان کی سب سے بڑی آرزو تھی چنانچہ انھوں نے شکار کے لیے جو تیر تیّار کیے تھے انھیں تو الگ رکھا اور خود خانۂ خدا کی تعمیر کے لیے اپنے والدِ بزرگوار کی مدد میں لگ گئے۔ [۲]

۱؎ تاریخ کامل ابن اثیر۔ جلد ۱ صفحہ ۶۱ اور طبری جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۶

۲؎ تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۸۲

یہ عمارت ان تمام عمارتوں کی مانند تھی جن کی بنیاد اقوام کے عقائد پر رکھی جاتی ہے۔ اس کا نہ کوئی بجٹ تھا نہ ٹینڈر طلب کیے گئے نہ قرض لیا گیا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی انتظامی ادارہ تشکیل دیا گیا۔

جی ہاں! یہ عمارت فقط ایک مردِ حق کی ہمّت اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے شروع کی گئی اور دونوں مل کر اسے تعمیر کرنے لگے۔ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر اٹھا اٹھا کر اپنے والد بزرگوار کو تھماتے جاتے تھے اور وہ انھیں ایک دوسرے پر جما کر دیواریں چُنتے جاتے تھے۔

آہستہ آہستہ دیواریں بلند ہوتی گئیں اور اب حضرت ابراہیمؑ کے لیے بیٹے کے ہاتھ سے پتھر پکڑ کر انھیں ایک دوسرے پر جمانا اور دیواروں کو مزید بلند کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے پاؤں کے نیچے ایک پتھر رکھا اور اس سے مچان کا کام لیا اور دیواروں کو جس قدر بھی اونچا اٹھا سکتے تھے اٹھایا۔[1]

حجرِ اسود

حضرت ابراہیمؑ عمارت تعمیر کرتے رہے اور جب حجر الاسود کے مقام پر پہنچے تو حضرت اسمٰعیلؑ وہاں نصب کرنے کے لیے ایک پتھر اٹھا لائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

---

[1] جس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے اس کا نام "مقامِ ابراہیمؑ" پڑ گیا (سورۃ البقرۃ - آیت ۱۲۵ اور بحار الانوار - جزو ۱۲ صفحات ۸۴ اور ۱۱۸)

"فرزندِ عزیز! اس سے بہتر پتھر لاؤ۔"

حضرت اسمٰعیلؑ دوسرا پتھر تلاش کرنے دوڑے۔ کوہ "ابوقبیس" کے پاس پہنچے تو آواز آئی کہ آپ کا مطلوبہ پتھر یہاں ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے آگے بڑھ کر ایک سیاہ پتھر اٹھالیا اور حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اور یا یوں ہوا کہ اس سے پیشتر کہ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر لے کر پہنچتے حضرت جبرئیلؑ نے ایک پتھر حضرت ابراہیمؑ کو فراہم کر دیا[1] حضرت اسمٰعیلؑ نے دریافت کیا:

"ابّا جان! یہ پتھر آپ کہاں سے لائے ہیں؟"

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

"اس خدائے بزرگ نے جو مجھے کبھی فراموش نہیں کرتا میری مدد کی ہے اور یہ پتھر میرے لیے بھیجا ہے۔"

یوں حضرت ابراہیمؑ بادل اور خدا تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے کی رہنمائی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے اس قابل ہو گئے کہ عبادت گاہ کی تعمیر کریں اور اس سرزمین کے باشندوں کے لیے پرستش کا ایک مقام فراہم کر دیں۔

---

[1] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحات ۱۷۶-۱۷۷

اسلامی عالمی کانگریس

خداوندِ عالم نے کئی سال کے لیے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو سرزمین مکہ میں جلاوطن رکھا اور پھر حضرت ابراہیمؑ کو عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا لیکن نہ تو وہ ماں بیٹا اپنی جلاوطنی کی حکمت کو سمجھ پائے اور نہ ہی حضرت ابراہیمؑ کو پتا چلا کہ اتنی مشقّت اُٹھا کر اس عظیم گھر کی تعمیر کا مقصد کیا ہے۔

جب مکان تعمیر ہو گیا تو حکم دیا گیا کہ :

" دنیا کے تمام لوگوں کو دعوت دو کہ ہر سال اس گھر کی زیارت کو آئیں اور ایک عوامی کانگریس میں شرکت کریں اور یوں اپنی مشکلات اور تکالیف سے آگاہ ہوں اور اسلام کی عالمی حکومت کی بنیاد رکھی جا سکے "!

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا :

" یا الٰہ العالمین! میری آواز اتنی بلند نہیں کہ اہلِ عالم کے کانوں تک پہنچ سکے اور میں سبھی کو دعوت دے سکوں "!

وحی نازل ہوئی کہ :

" تم بلند آواز سے پکارو ہم تمھارا پیغام سب ساکنینِ جہاں تک پہنچا دیں گے اور بتدریج ان کے دلوں میں اس گھر کی زیارت کا شوق پیدا کر دیں گے "!

حضرت ابراہیمؑ نے مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کی جانب مُنہ کر کے بآوازِ بلند پکار کر کہا:

"اے دنیا کے لوگو! خدا تعالیٰ نے اپنے گھر کی زیارت تم پر واجب کردی ہے۔" ۱؎

جب حضرت ابراہیمؑ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اس عمارت کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ خدائے واحد کے ماننے والے اس عظیم کانگریس میں جمع ہوں اور جو لوگ قدرت رکھتے ہوں ان کے لیے لازم ہے کہ اپنی زندگی میں ایک دفعہ اس خانۂ خدا کی زیارت کریں اور ایک دوسرے کی تکالیف سے آگاہ ہوں تو انھوں نے عرض کیا:

"بارالٰہا! میرا یہ عمل (خانۂ خدا کی تعمیر) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (سورۃ البقرۃ۔ آیت ۱۲۷)

جی ہاں! حضرت ابراہیمؑ نے خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور فرمانبرداری کے اظہار اور اس کے احکام کی انجام دہی کی خاطر تکالیف اٹھائیں اور دولت یا رُتبے کی تمنّا کیے بغیر خدا تعالیٰ کے گھر کی تعمیر مکمّل کردی۔

حضرت ابراہیمؑ کی دُور اندیشی

ان تمام مشکلات اور تکالیف کے باوجود جو حضرت ابراہیمؑ کے کمزور

۱؎ ایھا الناس ان اللہ قد کتب علیکم الحج الی البیت العتیق

(کامل ابن اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۱ اور طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۸۳)

جسم پر مسلط تھیں اور خانۂ خدا کی تعمیر کے سلسلے میں ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں اور ان کی طبیعت پر ناگوار اثر چھوڑ رہی تھیں انھوں نے کمال ثابت قدمی سے خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمّل کی اور جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ گھر خدا تعالیٰ کی عنایات کا مرکز ہے اور مستقبل قریب میں لاکھوں کروڑوں خدا پرست انسانوں کا کعبۂ مقصود بننے والا ہے تو انھوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس گھر اور اس سرزمین کے بارے میں مادّی اور معنوی اقدامات انجام دیے۔

جب ابوالبشر حضرت آدمؑ نے خانۂ کعبہ تعمیر کیا تھا تو اسے بالوں سے ڈھانپ دیا تھا [۱] لیکن اب جب حضرت ابراہیمؑ نے اسے نئے سرے سے تعمیر کیا تو اسے ڈھانپنے کے لیے سامان میسّر نہ تھا۔ گو انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی کو ان کے ہم قوم لوگوں کے پاس بھیجا اور انھوں نے اُن سے تیّار کیے ہوئے تاگے اکٹھے کیے جن سے خانۂ خدا کا غلاف بنایا گیا لیکن وہ غلاف کافی نہ تھا لہٰذا حضرت ابراہیمؑ نے اس کا کچھ حصہ چٹائیوں سے ڈھانپ دیا۔

یہ بھی ضروری تھا کہ اس گھر میں پانی کی فراہمی کی کوئی دقّت نہ ہو اور آئندہ آنے والے مسافر اس سلسلے میں کسی پریشانی سے دوچار نہ ہوں اس مشکل کو حل کرنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت جبرئیلؑ کے کہنے کے مطابق زمزم کے چشمے کو وسیع کیا جس سے پانی کی مقدار میں اضافہ ہو گیا اور

---

[۱] الاوائل۔ صفحہ ۲۷

اس کی کمیابی کا کوئی خطرہ نہ رہا۔

مادّی لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمّل کر دی اور اب وہ موقع آیا کہ وہ روحانی لحاظ سے بھی اس سرزمین کے مستقبل کے بارے میں غور کریں۔

دور اندیش حضرت ابراہیمؑ نے دستِ دعا بارگاہِ خداوندی میں بلند کیے اور عرض کیا:

"اے پروردگار! میرا یہ عمل قبول فرما۔"

"اے ربِّ جلیل! اس (مکان) کو امن کا شہر قرار دے اور یہاں رہنے والوں کو طرح طرح کے میوے عطا فرما۔"

(سورۃ البقرۃ اور سورۃ ابراہیم)

"اے خدائے بزرگ! ہمیں اپنے فرمانبردار بندوں میں قرار دے اور ہماری اولاد کو بھی ان لوگوں میں شامل فرما جو تیرے فرمانبردار ہیں۔ اے خدا! ہمیں ہمارے اعمال (اور فرائض) بتلا دے اور ہمیں بخش دے کیونکہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

"اے پروردگار! اس سرزمین کے رہنے والوں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو انھیں تیری بزرگی کی باتیں بتائے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پست اخلاق سے پاک صاف کر دے۔ تو یقیناً قدرت اور حکمت کا مالک ہے۔"

"اے رب العزّت! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے فرزند کو خشک اور تپتی ہوئی سرزمین میں لاکر چھوڑ دیا ہے۔ یہ سرزمین تیرے حرم کے نزدیک ہے۔ خداوندا! میں نے یہ سب تکالیف نماز کے قیام کی خاطر اٹھائی ہیں۔"

"اے خدائے بزرگ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو دنیا والوں کے دل ان کی جانب مائل کر دے۔" (سورۃ ابراہیم۔ آیت ۳۶)

"یا الٰہ العالمین! تو مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ کیونکہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

(سورۃ ابراہیم۔ آیت ۳۵)

"میں خدا کا شکرادا کرتا ہوں کہ اس نے بڑھاپے میں مجھے اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ عطا کیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے۔" (سورۃ ابراہیم۔ آیت ۳۹)

دوراندیش حضرت ابراہیمؑ نے اپنی آئندہ کی پالیسی واضح کر دی اور اپنے خدا سے مکمل صراحت سے اس سرزمین کی آبادی کی دعا مانگی اور سرزمین مکہ کی آبادی روشن خیال۔ بیدار مغز اور باایمان اشخاص کے سپرد کر دی۔

حضرت ابراہیمؑ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کی اولاد اور اس سرزمین کے دوسرے ساکنین روشن خیال ہوں اور جب کبھی وہ برے اخلاق کے بھنور میں پھنس جائیں جو کہ معاشرتی زندگی کا لازمہ ہے ان میں سے ایک آسمانی رہنما ظاہر ہو جو انھیں براہ راست نیکی کی تعلیم دے۔

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ چونکہ ہمیشہ بتوں اور بُت پرستی کے مخالف رہے اور بتوں کے خلاف نبرد آزما رہے اس لیے انھوں نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ ان کی اولاد کو بُت پرستی کے شر سے محفوظ رکھے اور انھیں ان ناکارہ موجودات کی عبادت کرنے سے بچائے۔

خداوند عالم نے بھی حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ:

"اب جب کہ تم نے یہ گھر تعمیر کر دیا ہے تمھیں چاہیئے کہ تمام بنی نوع انسان کو خبر کر دو کہ وہ اس گھر کی زیارت کے لیے سوار اور پیادہ آئیں تاکہ اپنے (دنیا اور آخرت کے) فائدوں پر فائز ہوں اور مقررہ ایّام میں خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔"

(سورۃ الحج - آیات ۲۶-۲۷)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند اور سرزمین مکہ کے دوسرے رہنے والوں کو مخاطب کر کے کہا:

"خدا نے تمھارے لیے اس دین (اسلام) کو پسند فرمایا ہے لہٰذا تم اس دین کی حفاظت کرنا اور دنیا سے بہ حیثیت مسلمان رخصت ہونا۔" (سورۃ البقرۃ - آیات ۱۳۰-۱۳۱)

حضرت ابراہیمؑ اور اعمالِ حج

حضرت ابراہیمؑ نے تمام مشکلات کے باوجود خانۂ خدا تعمیر کر دیا اور توحید کی اس عظیم کانگریس کی بنیاد رکھی اور اپنی آئندہ پالیسی بھی واضح کر دی۔ اب

وقت آپہنچا کہ اس گھر کی عظمت کے اظہار کے طور پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کچھ اعمال انجام دیں لیکن وہ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس گرانمایہ عمارت اور عظیم معبد کی رسومات کیا ہونی چاہئیں اور اس سلسلے میں کیا اعمال انجام دیے جائیں۔

خداتعالیٰ کے قاصد حضرت جبرئیل امینؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس آئے اور انھیں خانۂ خدا کی رسومات سے آگاہ کیا۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل نے ماہ ذی الحجہ کے آٹھویں دن کی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ مل کر منیٰ میں پڑھیں۔ نویں ذی الحجہ کے دن وہ عرفہ روانہ ہوئے اور مغرب تک اس سرزمین میں رہے اور رات کو مزدلفہ چلے گئے اور مغرب و عشا کی نماز پڑھی اور صبح طلوع ہونے تک وہیں سوئے۔ پھر صبح کی نماز ادا کی اور اس کے بعد رمی جمرہ کبریٰ کے لیے گئے اور قربانی دی۔ قربانی دینے کے بعد منیٰ سے کعبہ کی جانب چلے تاکہ طواف کعبہ انجام دیں۔ اعمالِ طواف بجالانے کے بعد ایک دفعہ پھر منیٰ گئے تاکہ دوبارہ رمی جمرہ انجام دیں[1]

یوں حضرت ابراہیمؑ نے اعمال حج کو تکمیل تک پہنچایا۔ اب جب کہ وہ مسجد الحرام کی تعمیر مکمّل کر چکے تھے اور اعمال حج بھی بجا لا چکے تھے انھوں نے سارہ اور حضرت اسحٰقؑ کے پاس واپس فلسطین جانے کا فیصلہ کیا۔

---

[1] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۸۳

بیداری یا خواب

حضرت ابراہیمؑ نے اعمالِ حج انجام دے دیے اور ان کے لیے ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے احکامِ خداوندی کے مطابق قربانی دیں۔ تاہم ان کی دی ہوئی قربانی دوسری قربانیوں سے مختلف ہونا تھی کیونکہ جس طرح دوسرے کاروبارِ زندگی میں ان کی روش دوسرے لوگوں سے بالکل الگ تھی اسی طرح ان کی قربانی کا بھی منفرد ہونا لازم تھا۔

جی ہاں! اگر حضرت آدمؑ کے زمانے میں خدا تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ بھیڑوں اور گندم کی قربانی تھی جنھیں جلا دیا جاتا تھا تو کریم النفس حضرت ابراہیمؑ کے لیے ضروری تھا کہ اپنے چہیتے بیٹے کو قربان گاہ میں لے جائیں اور خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں نثار کر دیں۔

اگر تورات کا یہ کہنا درست ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے اور اسے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر جلانے کے لیے لکڑیوں پر لٹا دیا [1] تو انھوں نے واقعی بڑا جوانمردانہ کارنامہ انجام دیا۔

اور اگر بالفرض ہم یہ کہیں کہ تورات کا یہ کہنا کہ وہ اپنے کو جلا دینا چاہتے تھے درست نہیں ہے تو ہم اس نکتے سے انکار نہیں کر سکتے کہ انھیں حکم دیا گیا کہ اپنے بیٹے کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیں اور اس کے گلے پر

---

[1] پیدائش۔ باب ۲۲۔ جملہ ۱۰-۱۱

چھُری چلا دیں اور یوں اُسے قربان گاہ میں لے جا کر اس کی قربانی بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دیں۔ بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے فرمان کو مال و دولت، فرزند غرضیکہ ہر چیز سے برتر سمجھیں حتیٰ کہ ایک وحشتناک اقدام سے بھی دریغ نہ کریں۔

حضرت ابراہیمؑ بستر میں سو رہے تھے۔ دریں اثنا خدا تعالیٰ کے فرشتے نے ان کے کان میں کہا:

"آپ کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے فرزند عزیز کو قربان کر دیں۔"

وہ وحشت زدہ ہو کر نیند سے بیدار ہوئے اور خیال کیا کہ یہ غیر متوقع واقعہ ایک شیطانی خواب ہے۔

حضرت ابراہیمؑ ایک پھر بستر میں لیٹ گئے تاکہ کوفت دُور کر سکیں لیکن ابھی ان کی آنکھ نہ لگی تھی کہ خداوند کریم کے فرستادہ فرشتے نے ان کے کان میں کہا:

"آپ کو چاہیئے کہ اسمٰعیلؑ کو قُربان کر دیں۔"

حضرت ابراہیمؑ تذبذب میں پڑ گئے اور سوچنے لگے: میں خواب دیکھ رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں؟ جو آواز میں نے سُنی ہے یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے یا کوئی غیر صحیح آواز ہے؟ کیا انسان اتنی ہمّت رکھتا ہے کہ اپنے فرزند کو قتل ہوتا ہوا دیکھے؟

انھوں نے سوچا کہ بہتر ہوگا اگر میں ایک دفعہ پھر سو جاؤں اور

اپنی تھکاوٹ اتار لوں۔ ممکن ہے حقیقت مجھ پر واضح ہو جائے۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ایک دفعہ پھر سو گئے لیکن جلد ہی وحشت زدہ ہو کر اُٹھ بیٹھے۔ وہ حیران تھے کہ آیا یہ حکمِ خداوندی ہے یا محض واہمہ اور خیال ہے۔

تاہم خدا تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے نے ان کے کان میں کہا:

"اے ابراہیمؑ! آپ کو چاہیے کہ اپنے بیٹے کی قربانی دیں اور یہ خواب درست ہے"

بیٹے کا جواب

ربِّ جلیل کے حکم کے مطابق یا اس نذر کی ادائیگی کے طور پر جو انھوں نے اس مقصد سے مانی تھی کہ اگر انھیں بیٹا عنایت ہوا تو وہ اسے راہِ خدا میں قربان کر دیں گے [۱] حضرت ابراہیمؑ کے لیے ضروری ہو گیا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا سر تن سے جدا کر دیں۔ بہرحال حضرت ابراہیمؑ احکامِ الٰہی کے پورے پورے فرمانبردار تھے اور یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی برتیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کے احکامِ الٰہی سے فرار اختیار کرنے یا ان کی تعمیل میں کوتاہی برتنے کا کوئی سوال نہ تھا بلکہ وہ دل و جان سے اپنے پروردگار کے تابع فرمان تھے چنانچہ انھوں نے بلا تامل اپنے فرزندِ دلبند کو اپنی آغوش میں کھینچا اور فرمایا:

---

[۱] تاریخ طبری۔ جلد ۱ صفحہ ۱۹۱

"اے فرزندِ عزیز! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔ اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے"!

حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے بت شکن باپ حضرت ابراہیمؑ کے دامن میں تربیت پائی تھی جو اپنی جان پر کھیل کر احکامِ خداوندی بجالانے کے عادی تھے۔ چنانچہ انھوں نے فی الفور عرض کیا:

"ابا جان! جو حکم آپ کو ملا ہے اس کی تعمیل کیجیے انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔[1]

ابا جان! آپ مجھے بے شک ذبح کر دیں لیکن اس بارے میں میری کچھ خواہشات ہیں:

۱۔ مجھے ذبح کرنے سے پہلے میرے ہاتھ پاؤں میری گردن سے باندھ دیں تاکہ میں ہاتھ پاؤں نہ مار سکوں۔[2]

۲۔ اپنے کپڑے اوپر چڑھا لیں تاکہ انھیں خون نہ لگے۔

۳۔ چھری تیز کر لیں اور تیزی سے میرے گلے پر چلا دیں تاکہ میری جان جلدی نکل جائے۔[3]

۴۔ میری پیشانی زمین پر رکھ دیں تاکہ آپ کی آنکھیں میری آنکھوں سے دوچار نہ ہوں اور آپ کو مجھ پر رحم نہ آجائے۔[4]

---

[1] سورہ الصّٰفّٰت۔ آیات ۱۰۳ تا ۱۱۰

[2] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۹۴ [3] کامل ابنِ اثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۴

[4] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۹۳

۵۔ میرے کپڑے سفید ہیں۔ یہ اُتار لیں اور مجھے انہیں کا کفن پہنا دیں۔[۱]

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

"اے میرے نورِ نظر! تم احکامِ الٰہی کی تعمیل کے سلسلے میں بڑے اچھے معاون ہو۔ انشاء اللہ میں تمھاری خواہشات پوری کر دوں گا۔"

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی پیشانی زمین پر رکھی اور انھیں قتل ہونے کے لیے تیار کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی خواہش تھی کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے حقیقی دوست کی راہ میں قربان کر دیں اور اسے راضی کریں۔ جس فرزند کی انھوں نے سالہا سال تربیت کی تھی اور اس کی خاطر بے حد تکالیف برداشت کی تھیں اب وہ اسے موت کی بھینٹ چڑھا دینا چاہتے تھے۔

جی ہاں! اب حضرت ابراہیم کے اس چہیتے بیٹے کے ذبح ہونے کا وقت آگیا تھا جس کی انھوں نے خدا تعالیٰ سے خواہش کی تھی اور جو انھیں بڑھاپے میں عطا ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جو امانت خدا تعالیٰ نے چند سال پیشتر ان کے سپرد کی تھی اسے اس مالکِ حقیقی کو لوٹا دیں۔

بوڑھا شیطان

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ چھری تیز

---

[۱] تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۹۴

کر لی اور اسے ذبح کرنے کو تیار ہو گئے۔ شاید وہ شیطان تھا جو ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں حضرت ابراہیمؑ کے سامنے آیا اور کہنے لگا:

"اے ابراہیم! آپ خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اس نوجوان کو کیوں ختم کرنا چاہتے ہیں؟"

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

"مجھے اس کام کا حکم خدا تعالیٰ کی جانب سے ملا ہے۔"

بوڑھے نے کہا:

"خدا اس عمل سے بیزار ہے۔ یہ تو شیطانی کام ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

"وہ خدا جس نے مجھے پیدا کیا۔ مجھے نمرود کے جلّادوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا۔ مجھے آگ میں جلنے سے بچا لیا۔ اسی ربِّ جلیل نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اس بیٹے کو ذبح کر دوں۔"

بوڑھے نے کہا:

"یہ حکم آپ کو شیطان کی جانب سے دیا گیا ہے اور آپ کو چاہیئے کہ اس کی تعمیل نہ کریں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

جب شیطان حضرت ابراہیمؑ پر قابو پانے سے مایوس ہو گیا تو اس نے حضرت اسمٰعیلؑ کو فریب دینے کی ٹھانی لیکن حضرت اسمٰعیلؑ بھی

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اور انھوں نے انھیں کے دامن میں تربیت پائی تھی چنانچہ انھوں نے شیطان سے کہا:

"سمعا لامر اللہ وطاعة" ؎۱

یعنی میں خدا تعالیٰ کے فرمان کا مطیع ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے زمین پر لٹا دیا اور چھُری نکالی۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا:

"اے پروردگار! گواہ رہ کہ میں نے تیرے حکم کی تعمیل کر دی۔"

یہ الفاظ کہتے کہتے حضرت ابراہیمؑ نے چھری حضرت اسمٰعیلؑ کے نرم و نازک گلے پر رکھ دی لیکن بے حد دبانے کے باوجود حضرت اسمعیلؑ کے گلے پر خراش تک نہ آئی۔

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ کے کام دوسرے لوگوں کے کاموں کے برعکس رہے۔ چھُری پتھر پر بھی اثر کرتی ہے لیکن اس نے اُن کے فرزند کے نازک گلے پر کوئی اثر نہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے چھُری حضرت اسمٰعیلؑ کے گلے پر رکھ کر زور سے چلائی لیکن وہ پھسلی اور اس کا پچھلا حصہ ان کے گلے پر آگیا۔

جنّت کا مینڈھا

حضرت ابراہیمؑ حیران تھے کہ کیا کریں۔ انھوں نے چھُری زمین پر پٹخ دی اور بے حد جھنجھلا کر کہا:

؎۱ کامل۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۴

"یہ چھری میرے بس میں نہیں ہے۔ مجھے چاہیئے کہ کوئی اور چھری استعمال کروں"۔

دریں اثنا ان کے کان میں یہ آواز آئی:

"خدا کا خلیل مجھے گلا کاٹنے کو کہتا ہے لیکن ربِّ جلیل مجھے کاٹنے سے منع فرماتا ہے"۔[1]

"اے ابراہیمؑ! آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کیا اور آپ کے بیٹے نے یقینی موت سے نجات پائی"۔

"اے ابراہیمؑ! یہ جنّت کا مینڈھا لیجیے اور اسے اپنے بیٹے کی جگہ ذبح کیجیے"۔

"اے ابراہیم! آپ نے جان نثاری کو حدِ کمال تک پہنچا دیا۔ نمرودیوں کے خلاف جنگ کی۔ ان کے بتوں کو توڑا۔ آگ میں جلانے کے سلسلے میں انھیں رسوا کیا اور ہر مشکل وقت میں ثابت قدم رہے۔ ان لڑائیوں، بچوں کے قتل اور قربانیوں کو ان اشخاص کے لیے چھوڑ دیجیے جنھوں نے خدا تعالیٰ کے دین کی پیش رفت کے سلسلے میں کوئی زحمت نہیں اٹھائی۔ انھیں آخری زمانے کے فرزندوں کے لیے چھوڑ دیجیے تاکہ وہ ظالم اور بدکردار یزید کی حکومت کے مقابلے میں قیام کرے اور اس کی آمریت اور جرائم

---

[1] منہج الصادقین۔ جلد ۸۔ الخلیل یأمرنی والجلیل ینھانی۔

کے خلاف مردانہ وار اُٹھ کھڑا ہو اور یزید کے ہاتھوں اس کے فرزند اور رفیق قتل ہو جائیں اور اس کا اپنا اور اس کے فرزندوں کے سر ان کے بدنوں سے جدا کر دیے جائیں۔"

حضرت اسمٰعیلؑ یا حضرت اسحٰقؑ

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے جس فرزند نے اپنے آپ کو اور اپنے والد بزرگوار کو خدا تعالیٰ کا فرمانبردار ثابت کرنے کے لیے قتل ہونا منظور کر لیا اس کا نام کیا تھا؟

بلا شبہ حضرت ابراہیمؑ کا وہ فرزند جس نے اس قدر جاں نثاری کا مظاہرہ کیا ایک شائستہ انسان تھا اور وہ شائستہ کیوں نہ ہوتا جبکہ زیادہ ناگوار حادثات تو در کنار رہے عام طور پر لوگ اگر پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو شور و غوغا برپا کر دیتے ہیں۔

تورات نے حضرت ابراہیمؑ کے اس فرزند کا نام اسحاقؑ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ جہاں اس نے قتل ہو جانے پر آمادگی ظاہر کی وہ جگہ شام اور یروشلم تھی۔

تورات کی پیروی کرتے ہوئے صدرِ اسلام کے کئی ایک مورخین اور قصہ گوؤں نے حضرت اسحٰقؑ کی قتل ہو جانے پر آمادگی کو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں داخل کر دیا ہے۔ تاہم یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہے کہ خدائے واحد پر پختہ ایمان رکھنے والے یہ پاک نژاد نوجوان حضرت اسمٰعیلؑ

ہی تھے ۔ ؎

؎ اس قول کی تائید میں خود توریت میں اشارات موجود ہیں جن کا ذکر یہاں بطور خلاصہ کیا جاتا ہے :

(۱) کتاب پیدائش کے سولھویں باب کے سولھویں جملے میں لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال تھی اور اسی کتاب کے اکیسویں باب کے پانچویں جملے کے مطابق حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ سو سال کے تھے اس بیان کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے چودہ سال بڑے تھے۔

اسی کتاب کے ۲۲ویں باب میں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کے ذبح ہونے کی داستان بیان کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کو ذبح کرنا چاہتے تھے حالانکہ چودہ سال کی مدت تک اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔

(۲) اس اکلوتے بیٹے کی جائے سکونت بئر سبع (مکہ) کی سرزمین بتائی گئی ہے۔ جب کہ حضرت اسحٰقؑ شام اور مصر میں سکونت پذیر رہے اور انھوں نے شادی کنعان میں کی (مزید توضیح کے لیے توریت کی کتاب پیدائش کے ابواب ۲۱ اور ۲۴ تا ۲۸ اور ۳۵ ملاحظہ فرمائیں۔)

حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے کے بارے میں پیشوایانِ دین سے جو روایات ہم تک پہنچی ہیں ان سے قطع نظر قرآن مجید میں بھی ایسے اشارات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی تھے۔

۱۔ سورۂ ابراہیم کی ۳۹ ویں آیت میں حضرت ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انھیں فرزند عنایت کیے گئے اور پہلے حضرت اسمٰعیلؑ کا نام لیتے ہیں (باقی صفحہ ۲۰۷ پر)

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کو بھی یہ فخر حاصل تھا کہ آپ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں اور آپ یہ جملہ اکثر دہرایا کرتے تھے کہ "میں دو ذبح ہونے والوں کا فرزند ہوں"۔ یا یہ کہ لوگ آپ کو دو ذبح ہونے والوں کا فرزند کہتے تھے۔ [۱]

ابراہیمؑ کا وصی

حضرت ابراہیمؑ کا وہ بیٹا جس نے خدا تعالیٰ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ہاتھ پاؤں بندھوا کر قتل ہونے کے لیے اپنے والد بزرگوار کی چھری تلے جانا منظور کر لیا خاص عنایاتِ خداوندی کا مورد قرار پایا۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۶ سے آگے) اور ان کا نام پہلے لینے سے اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ ان کی ولادت پہلے ہوئی تھی۔

۲۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں پہلے ذبح کی داستان بیان کی گئی ہے اور بعد میں حضرت اسحٰقؑ کے بارے میں بشارت کا ذکر ہے۔

[۱] (۱) حضرت اسمٰعیلؑ اور (۲) حضرت عبداللہؓ کیونکہ ان کے والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ نے انھیں بیٹے عنایت کیے تو ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے۔ قرعہ آنحضرتؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کے نام نکلا لیکن چونکہ ان کے بدلے اونٹوں کی قربانی دے دی گئی اس لیے ان کی جان بچ گئی

(کامل۔ جلد اوّل صفحہ ۶۲)

جی ہاں! خداوند کریم نے اس کے خلوص کے صلے میں اُسے کئی ایک القاب سے نوازا۔ مثلاً اُسے نیکو کاروں میں شمار کیا[۱] اُسے صابر اور صالح قرار دیا[۲] اور اس سے بڑھ کر جو افتخار اس کے حصّے میں آیا وہ یہ تھا کہ اسے 'صادق الوعد' (وعدے کا سچّا) کا لقب عنایت کیا گیا۔[۳]

ان افتخارات کی بدولت حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی وصایت کا منصب سنبھالنے کے اہل ہو گئے اور جب حضرت ابراہیمؑ نے داعی اجل کو لبیک کہا تو انبیائے کرامؑ کا چھوڑا ہوا ورثہ اپنے فرزند عزیز حضرت اسمٰعیلؑ کے سپرد کر دیا[۴] اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کا نطفۂ پاک بطور امانت پاک رحموں کو منتقل کریں گے لہٰذا یہ ضروری ہو گیا کہ آئندہ شریف اور نجیب خاندانوں میں شادیاں کی جائیں حتّٰی کہ اولادِ ابراہیمؑ سے تعلّق رکھنے والے پیغمبر اسلام ظہور فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ سارہؑ خدا تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ نہ بدل سکیں اور ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ حضرت ابراہیمؑ کی ولی عہدی حضرت اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں سے نکل کر ان کے بیٹے کو نصیب ہو جائے۔

---

[۱] سورۃ ص - آیت ۴۸ (...... وکل من الاخیار......)

[۲] سورۃ الانبیاء - آیات ۸۵ - ۸۶

[۳] سورۃ مریم - آیت ۵۵ (...... اسمٰعیل انہ کان صادق الوعد......)

[۴] اثبات الوصیۃ - صفحہ ۱۲۸

ابراہیمؑ کی کریم النفسی

خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھیں دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند فرمایا۔

اُن کی آمریت کے خلاف جنگ، احکامِ الٰہی کی تبلیغ، مہمان نوازی اور خانہ کعبہ کی تعمیر اور دوسری خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے پروردگارِ عالم نے ان افتخارات کے علاوہ جو انھیں عنایت فرمائے ان کی کھیتی باڑی میں بھی برکت دی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کافی گندم بوئی اور اس سے بہت سا منافع حاصل کیا۔ تاہم "قحط" میں جو لوگ آپ کے ساتھ رہتے تھے قحط اور ناداری سے دوچار ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ کے آگے دستِ سوال دراز کیا۔ تاہم حضرت ابراہیمؑ نے اس نازک صورتِ حال سے مناسب روحانی فائدہ اُٹھایا۔

جب لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آکر مدد کی درخواست کرتے تو آپ ان کی حاجت روائی فقط اس وقت کرتے جب وہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے یعنی کلمہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" پڑھتے۔ تاہم ان میں سے بعض ایسے کم عقل لوگ بھی تھے جن کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔ وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتے تھے کہ یہ کلمہ پڑھ لیں اور بھوک سے نجات پائیں اور حضرت ابراہیمؑ بھی ایسے لوگوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔

مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اس بات پہ

مجبور ہو گئے کہ نئی نئی چراگاہیں اور رہائش کی نئی نئی جگہیں حاصل کریں تاکہ فراغت کی زندگی بسر کر سکیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی اسی مجبوری کی وجہ سے حضرت لوطؑ نے ان سے کافی جانور اور مال حاصل کیا اور مویشیوں کی پرورش اور کھیتی باڑی کو وسعت دینے کے لیے سرزمین اردن کی جانب روانہ ہو گئے۔ [۱] اور یوں حضرت ابراہیمؑ کی عنایت سے بہرہ مند ہوئے۔

لمبی عمر کی آرزو

انسان کے آرام و آسائش کے اسباب بتدریج فراہم ہوتے جاتے ہیں اور دنیا میں بعض خوش نصیب لوگ ایسے بھی ہیں جو خوراک، تفریح اور حفظان صحت کے وسائل سے بہرہ مند ہیں اور ان کے دن رات سینما، پلازہ، سوئمنگ پول، نائٹ کلب، پکنک اور بار میں صرف ہوتے ہیں۔ بہترین خوراک، لباس اور مکان ان کے لیے مخصوص ہیں اور ان کے مقابلے میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کسمپرسی کی زندگی بسر کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات بھوک کے ہاتھوں مر جاتے ہیں لیکن نہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچتا ہے اور نہ انھیں روزگار مہیا کرتا ہے۔ اس بدنصیبی میں ان سے ہمدردی کرنے والا یا ان کی صحت اور اوّلین ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں۔

جب کبھی ناز و نعمت میں زندگی بسر کرنے والے ان افراد

---

[۱] تاریخ طبری۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۲۱۷

کا عیش ختم ہونے کو آتا ہے یہ زیادہ طویل عمر کے خواہش مند ہوتے ہیں تاکہ زیادہ عیش و عشرت سے بہرہ مند ہو سکیں۔ وہ اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی بے بہرہ ہیں اور انواع و اقسام کے مصائب میں گرفتار ہیں۔ دنیا میں بھوکے رہنے والوں کے اعداد و شمار اور بھوکوں کی حمایت کرنے والے اداروں کے بیانات اس امر کے شاہد ہیں کہ بنی نوع انسان کی غالب اکثریت نانِ شبینہ کی محتاج ہے۔

خوراک اور زراعت کے عالمی ادارے کے سربراہ کا کہنا ہے کہ ہر دَور کی مدوّن تاریخ کے مقابلے میں موجودہ دَور میں دنیا میں بھوکوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس وقت دنیا میں تیس کروڑ سے پچاس کروڑ تک افراد مسلسل بھوک کا شکار ہیں اور ایک ارب سے ڈیڑھ ارب تک کو کافی اور مناسب غذا نہیں ملتی۔

درحقیقت انسان کی ان تمام پریشانیوں کے باوجود ہر زمانے میں کچھ لوگ طویل عمر کے خواہشمند رہے ہیں اور چونکہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے یا زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہیے کہ گو افراد بدلتے رہتے ہیں لیکن انسانی ذہنیت اور اخلاقی صفات تبدیل ہونے والی چیزیں نہیں ہیں اس لیے عیش و عشرت اور طویل عمر کی خواہش بھی ہمیشہ موجود رہی ہے۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے حضرت ابراہیمؑ بڑے مہمان نواز تھے اور مہمانوں کو کھانا کھلانا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ایک

روز اس معمول سے آگے بڑھ کر انھوں نے ایک خاص دعوت کا اہتمام کیا۔ جو مہمان مدعو کیے گئے ان میں ایک بوڑھا آدمی بھی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی نظر اس پر پڑی تو ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنے لگے۔ وہ شخص نابینا تھا اور اس کے بدن پر رعشہ طاری تھا۔ وہ اس قدر کانپ رہا تھا کہ جب لقمہ توڑ کر کھانا چاہتا تو وہ کبھی اس کی آنکھوں پر اور کبھی ماتھے پر جا لگتا اور پھر کہیں اس کے مُنہ میں جاتا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اس سے پوچھا:

"بڑے میاں! آپ کانپ کیوں رہے ہیں؟"

اس نے جواب دیا:

"اے حضرت ابراہیمؑ! یہ کپکپاہٹ بڑھاپے اور لمبی عمر کی وجہ سے ہے۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے جلد از جلد اٹھا لے لیکن شاید ابھی مصلحتِ الٰہی اس میں نہیں ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے یہ منظر دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کرتے ہوئے عرض کیا:

"اے پروردگار! مجھے طبیعی موت دے۔"

موت کا قاصد

حضرت ابراہیمؑ نے ابھی گھر میں قدم نہیں رکھا تھا کہ ان کی نظر ایک اجنبی

شخص پر پڑی۔ انھوں نے اس سے پوچھا:

"تم کس کی اجازت سے اس گھر میں داخل ہوئے ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"میں گھر کے مالک کی اجازت سے آیا ہوں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

"گھر کا مالک میں ہوں اور میں نے تمھیں یہاں آنے کی اجازت نہیں دی۔"

اس شخص نے جواب دیا:

"جی نہیں۔ اس گھر کا مالک وہ ہے جس کی قدرت آپ سے اور مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ یہ اجنبی شخص خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے اور ہمارے بارے میں کوئی فریضہ انجام دینے آیا ہے چنانچہ انھوں نے اس سے پوچھا:

"تمھارا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"میں ملک الموت ہوں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے دریافت کیا:

"کیا تم ہمیں ملنے آئے ہو یا ہماری جان قبض کرنے آئے ہو؟"

عزرائیلؑ نے جواب دیا:

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی جان قبض کرنے آیا ہوں۔"

جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ سُنا تو عرض کیا:

"اے پروردگار! میں مرنے کے لیے تیار ہوں اور تیرے دیدار کا مشتاق ہوں۔"

بابل کا سورج ڈوب گیا

ماہ محرم کا نواں دن آپہنچا۔ یہ بڑا عجیب دن تھا۔ یہ وہ دن تھا جب قہرمانِ توحید کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہونا تھا اور بُتوں اور بُت پرستی کے خلاف جنگ ختم کر کے منوں مٹی کے نیچے جا سونا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے واقعات ان کی نگاہ کے سامنے سے گزرنے لگے اور گزشتہ مناظر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ یکے بعد دیگرے انھیں یاد آنے لگے۔ ان کا نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں پھینکا جانا۔ آگ کا گلزار ہو جانا نمرود سے جنگ۔ بابل سے جلاوطنی۔ مصر کے خود پسند حاکم سے مقابلہ، ہاجرہ سے شادی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت۔ ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مکہ کو جلاوطنی۔ خانۂ خدا کی تعمیر۔ یہ سب چیزیں ان کے دماغ کے آئینے سے گزرتی چلی گئیں اور وہ انھیں یاد کر کے کبھی مسکراتے اور کبھی ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے۔ تاہم ہر حالت میں ان کی توجہ اپنے پروردگار کی طرف مبذول رہی اور وہ کمال عاجزی سے دستِ دعا اس کی بارگاہ میں بلند کر کے اس کے ذکر میں مشغول رہے۔

جی ہاں! جب حضرت ابراہیمؑ اپنی بُت شکنی اور جرأت کے بارے میں

سوچتے تو خوش ہوتے لیکن جب انھیں ظالم نمرود کا ایک ننھے سے مچھر کے ہاتھوں نیست و نابود ہونا یاد آتا تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے کیونکہ وہ سوچتے کہ انسان اتنا خودسر کیوں ہے کہ مردانِ حق سے ٹکر لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

اپنی تمام تکالیف اور پریشانیوں کے مقابلے میں جب انھیں خانہ کعبہ کا تعمیر کرنا یاد آتا تو بے حد خوش ہوتے کہ اس عظیم کام کو سرانجام دینے میں کامیاب ہوئے لیکن جب اسی مقدس گھر میں ممکنہ بت پرستی کا نقشہ ان کی نگاہوں کے سامنے کھنچتا تو بے اختیار رو دیتے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اوّل تو یہ سرزمین بتوں کا مسکن نہ بنے اور اگر بنے بھی تو جس قدر جلد ممکن ہو ان سے پاک صاف ہو جائے۔

اگرچہ ظاہری صورت میں وہ بیٹے کے ذبح ہونے سے بھی غمگین نہ تھے لیکن جنّت کے مینڈھے کے آجانے سے بے حد مسرور تھے۔ اب جب وہ اس واقعے کے متعلق سوچتے تو دونوں کیفیتوں کے آثار ان کے نورانی چہرے سے ظاہر ہوتے۔

جی ہاں! زندگی کے تمام نشیب و فراز کا نقشہ اب ان کی نگاہوں کے سامنے مجسّم ہو رہا تھا چنانچہ وہ کبھی ششدر رہ جاتے۔ کبھی مسکراتے اور کبھی رو دیتے۔

بالآخر ان تمام غیر متوقع حادثات سے دوچار ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے ۱۷۵ سال کی عمر میں اس دارِ فانی کو خیرباد کہا اور شہر خلیل

کے 'مکفیلہ' نامی غار میں دفن ہوئے۔ [1]

نیک نام

حضرت ابراہیمؑ نے شہنشاہِ ایران کی آمرانہ حکومت کے خلاف قیام کیا اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ایک ایسی جنگ میں مصروف ہو گئے جس کی ان سے پیشتر کوئی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے بُت توڑے۔ لوگوں کے خیالات کی سطح بلند کی۔ زندان میں گئے۔ آگ میں پھینکے گئے۔ نمرود کے خلاف جنگ لڑی۔ جلاوطن ہوئے۔ سارہ کی کج خلقی برداشت کی۔ ان کی بیوی اور بیٹا (حضرت اسمٰعیلؑ) جلاوطن ہوئے۔ وہ بیت اللہ کی تعمیر پر مامور رہے اور پیروانِ توحید کی عبادت کے لیے ایک مرکز قائم کر دیا۔

ان تمام تکالیف اور پریشانیوں کے مقابلے میں وہ بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرتے رہے اور اپنی خواہشات یوں بیان کیں:

"اے پروردگار! مجھے علم و فہم (اور قوت) عطا فرما اور مجھے نیکوں میں شامل کر اور آئندہ آنے والی نسلوں میں میرا ذکرِ خیر قائم رکھ۔" [2]

---

[1] فرہنگ قصص قرآن (صفحہ ۱۵) اور تاریخ طبری (جلد ۱۔ صفحہ ۲۱۹) میں لکھا ہے کہ آپ نے ۲۰۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جبرون کے کھیتوں میں سارہ کی قبر کے نزدیک دفن ہوئے۔

[2] سورۃ الشعراء۔ آیات ۸۵-۸۶

ربّ جلیل نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول کی اور انھیں نیک نام عنایت فرمایا اور یہ حقیقت پیغمبرِ اسلامؐ کے گوش گزار کر دی کہ ہم نے ابراہیمؑ کی دعا قبول کی اور انھیں نیک نام عطا کیا [۱]

بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ کی دینِ حق کی خاطر کوششیں اس امر کا موجب ہوئیں کہ ان کا آوازہ بلند ہوا اور انھیں ایک عالی شخصیت حاصل ہوئی۔ ان کی عظمت اور بزرگواری کا یہ عالم ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھے اور عیسائی بھی کہتے ہیں کہ وہ عیسائی تھے اور مسلمان دعویدار ہیں کہ وہ ان میں سے تھے۔

خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو قرآنِ مجید میں وحی نازل فرمائی کہ:

"ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ حقیقی مسلمان تھے۔" [۲]

بلاشبہ ابراہیم کا لفظ مختلف شکلوں میں [۳] یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں میں مستعمل ہے اور ان کے نام کی بقا اور ان کے حالاتِ زندگی سے سبق حاصل کرنے کے لیے لوگ یہ نام اپنے بچّوں کا رکھتے ہیں۔ تاہم یہ نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ دینی اعمال کے بارے میں حضرت

---

[۱] سورۃ مریم۔ آیت ۵۲

[۲] سورۃ البقرۃ۔ آیت ۱۴۰ (.... أأنتم اعلم ام اللہ ....) اور سورۃ آلِ عمران آیت ۶۷ (.... ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفاً مسلما....)

[۳] مسلمانوں میں انھیں ابراہیمؑ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور دوسرے مذاہب میں آبراھام۔ اَبرام یا آبرام کے نام دیے جاتے ہیں۔

ابراہیمؑ کا نظریہ اور ان کے ظلم وستم کے خلاف معرکے اور وہ احکام الٰہی جو ان پر نازل ہوئے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ مسلمان تھے۔

مثال کے طور پر مسیحی دین تثلیث۔ تعمید (بپتسمہ) عشار ربانی بخشش گناہ اور حسن خلق کے اصولوں پر قائم ہے اور ان اصولوں کی بنیاد شرک اور بت پرستی پر رکھی گئی ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی ساری عمر بت پرستی کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے گزری اور تورات جو یہودیوں کی دینی کتاب ہے حضرت ابراہیمؑ کا تعارف ایسے اوصاف کے ساتھ کراتی ہے جن سے وہ خود بیزار رہے۔ [1]

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک حقیقی مسلمان تھے اور ان کی بزرگی کا ادراک کرنے کے لیے ان کی عالمی شخصیت اور آمریت و شرک کے خلاف ان کے معرکوں کے نتائج کافی ہیں۔

جو کچھ اب تک نقل کیا گیا اس سے کسی حد تک حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا تعارف ہوجاتا ہے تاہم اس کی بنیاد روایات، آیات قرآنی اور تاریخ پر ہے لیکن متعدد معاملات میں تورات کے مندرجات اس سے مختلف ہیں۔ مندرجہ ذیل نکات ایسے ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں لیکن ان کا ذکر تورات میں نہیں ہے:

۱۔ نمرود کا آگ تیار کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کا اس میں پھینکا جانا۔

۲۔ بت پرستوں کے خلاف حضرت ابراہیمؑ کے معرکے۔

---

[1] وضاحت کے لیے خاتمۂ کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کی داستان اور حضرت ابراہیمؑ کے اعمالِ حج۔

۴۔ پرندوں کا زندہ ہو جانا۔

اور مندرجہ ذیل چیزیں وہ ہیں جو توراۃ میں موجود ہیں لیکن اسلامی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ہے:

۱۔ خدا تعالیٰ کا حضرت ابراہیمؑ کے گھر مہمان ٹھہرنا۔[۱]

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا خدا تعالیٰ کے پاؤں دھونا۔[۲]

۳۔ خدا تعالیٰ کا سو جانا اور حضرت ابراہیمؑ کے ہاں کھانا کھانا۔[۳]

۴۔ قومِ لوط کو ہلاک کرنے کے بارے میں خدا تعالیٰ کا حضرت ابراہیمؑ سے مشورہ کرنا۔

نتیجہ

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ چند نکات جن میں توراۃ اور قرآن کے مابین اختلاف ہے اِس امر کے شاہد ہیں کہ رسول اکرمؐ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی کیونکہ اگر انھوں نے ان لوگوں سے تعلیم حاصل کی ہوتی تو قرآن مجید اور توراۃ کے مابین مطابقت اور ہم آہنگی ہوتی۔

۱؎ اور ۲؎ پیدائش۔ باب ۱۸

۳؎ پیدائش باب ۱۸ (۲۰-۳۲)

حضرت ابراہیمؑ کی تمام تر زندگی کی داستان جہاد کی داستان ہے۔ انھوں نے فقط لکڑی اور پتھر کی بنی ہوئی مورتیاں ہی نہیں توڑیں بلکہ ظلم و ستم، تکبّر، غلامی اور ماسوا اللہ کی پرستش کے بتوں کو بھی پاش پاش کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی معرکوں سے بھرپور زندگی سے پتا چلتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندے اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور جب وہ خدا کی خاطر قیام کرتے ہیں تو ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی۔ ان کا قیام انسان کی بہتری اور فلاح کے لیے ہوتا ہے اور یہی ان کے مشن کی روح ہے۔ اسی مشن کا نقطۂ کمال اسلام ہے۔

اسلام وہ دینِ برحق ہے جو حق دوستی، عدل و انصاف اور جان و مال کی حفاظت چاہتا ہے۔ وہ انسان کی فلاح و بہبود چاہتا ہے اور اسے اعلیٰ ترین منزل پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہو کر انسان غلامی، ذلّت اور ظلم و جور سے نجات حاصل کرتا ہے اور آزادی کی فضا میں سانس لیتا ہے۔ اسلام کا اصل مقصد مظلوم کی حمایت اور معاشرے کی صحیح رہنمائی ہے اور وہ اس بات کا خواہاں ہے کہ انسانوں کے مابین غلط تقسیم ختم ہو جائے۔

اسلامی حکومت کا قیام

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اسلام دوستی عین انسان دوستی ہے اور اسلام دشمنی عین انسان دشمنی ہے۔ حکومتِ اسلامی کا قیام دراصل

حکومتِ انسانی کا قیام ہے، حکومتِ الٰہی کا قیام ہے۔ اسلامی حکومت ایک ایسی حکومت ہے جو آزادی اور عدالت کی علمبردار ہے اور بنی نوعِ انسان کی نجات کے لیے اس حکومت کا قیام ضروری ہے۔

اسلامی حکومت کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک ظلم و استبداد کا خاتمہ ہے اور پیروانِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی جانیں تک قربان کر دیں اور ان لوگوں کا بھرپور ساتھ دیں جو اسلامی نظام کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بالآخر مظلوم کو اس کا حق ملنا ہے اور فتح و کامرانی مجاہدین کا مقدّر ہے۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم

آخری فاتح

تقریباً تمام اسلامی مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ بالآخر نیکی، صلح اور عدل و انصاف کی قوتیں ظلم اور فساد کی قوتوں پر فتح پالیں گی۔ دینِ اسلام ساری دُنیا میں پھیلے گا اور ایک مثالی معاشرہ قائم ہوگا۔ ان سب کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ تمام کام ایک مقدس اور ممتاز ہستی کے ہاتھوں انجام پائے گا جسے اسلامی روایات میں مُہدیؑ کا نام دیا گیا ہے۔

بنیادی طور پر یہ قرآنی نظریہ ہے۔ قرآنِ مجید نے واضح الفاظ میں پیشگوئی کی ہے کہ بالآخر فتح اسلام کی ہوگی۔ نیک اور صالح لوگ کامیاب ہوں گے اور باطل کی قوتوں کو مُنہ کی کھانی پڑے گی۔

دنیا کو ہے اس مہدیٔ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

یہ عقیدہ کوئی موہوم چیز نہیں بلکہ نظامِ فطرت اور تاریخ کے ارتقائی عمل کے عین مطابق ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ انسان کا مستقبل شاندار ہے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

کتاب "آخری فاتح" مشہور دانشور علامہ مرتضیٰ مطہری شہید کی تصنیف ہے اس میں مختلف مکاتبِ فکر کی آرار کی روشنی میں انسانی ارتقار سے فلسفیانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور باطل پر حق کی فتح کے سلسلے میں امام مہدیؑ کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ امام مہدیؑ کے قیام کے اغراض و مقاصد کو بہتر طور پر سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

قیمت : ۸/- روپے

فلسفۂ

ولایت

یہ کتاب عالمِ اسلام کے مایۂ ناز دانشور علّامہ مرتضیٰ مطہری شہید کی تصنیف ہے۔ اس میں ولایت کے موضوع پر ایک نہایت اچھوتے اور دلچسپ انداز میں بحث کی گئی ہے۔

ولی، وِلا، مولا وغیرہ کے الفاظ قرآنِ مجید اور احادیث میں لغوی اور اصطلاحی معنوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ فاضل مصنّف نے ان الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کی تشریح کر کے ان کا فرق واضح کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ امامت اور خلافت میں کیا فرق ہے اور ایک معصوم امام کی کیا خصوصیات ہیں۔

اِس کتاب میں جن عنوانات سے بحث کی گئی ہے ان میں ولائے عام، ولائے خاص، ولائے مثبت، ولائے منفی، ولائے قرابت، ولائے امامت، ولائے زعامت، ولائے تصرّف وغیرہ شامل ہیں۔

یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود حیرت انگیز حد تک جامع ہے اور اس میں بعض ایسے نکات کی عام فہم انداز میں وضاحت کی گئی ہے جن پر شاید پہلے کبھی قلم نہیں اٹھایا گیا۔

اُمّید ہے اس کتاب کا مطالعہ قارئین کی معلومات میں گراں قدر اضافے کا موجب ہوگا۔ انشاء اللہ

مکتبِ تشیّع

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب مکتبِ اہلِ بیت کے اعتقادی مسائل سے بحث کرتی ہے۔ اس کا اصل متن عربی زبان میں ہے اور مصنّف شیخ محمد رضا مظفر ہیں۔

اپنے دینی اعتقادات سے واقفیّت ہر بچّے، بوڑھے اور جوان کا فریضہ ہے۔ اس موضوع پر اَن گِنت کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے بعض بہت ضخیم ہیں۔ تاہم ان کا مطالعہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ موجودہ کتاب میں مختصراً لیکن مدلّل اور سادہ انداز میں تمام اہم دینی مسائل سے بحث کی گئی ہے اور ان تمام اعتراضات کا بھی مُسکِت جواب دیا گیا ہے جو مذہبِ اہلِ بیت پر وارد کیے جاتے ہیں۔

یہ کتاب ساری اسلامی دنیا مثلاً مصر، لبنان، شام، عراق، کویت، ایران اور افریقی ممالک میں یکساں طور پر مشہور اور مقبول ہے اور حوزہ ہائے علمیہ عراق اور ایران میں ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شامل ہے اور اب تک اس کے چالیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کا ترجمہ فارسی زبان میں ہو چکا ہے اور اب جامعہ تعلیماتِ اسلامی اسے اُردو میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

فاضل مصنّف نے اس کتاب میں اصولِ دین اور چند اور مسائل مثلاً تقیّہ اور حقیقتِ بداء پر بحث کرنے کے علاوہ کئی ایک دوسرے موضوعات کے بارے میں بھی مکتبِ اہلِ بیت کی تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے جن میں دعا کا طریقہ۔ روح کی پرورش کا طریقہ، آدابِ زیارت، حقوق العباد، توہم پرستی کی نفی اور اسلامی اتحاد کی ضرورت وغیرہ شامل ہیں۔ امّید ہے ہماری یہ پیشکش عوام کے لیے عموماً اور دینی طلبا کے لیے خصوصاً مفید ثابت ہو گی۔

ہماری مطبوعات

اسلام دینِ فطرت
اسلام دینِ مُعاشرت
اسلام دینِ معرفت
اسلام دینِ حکمت
فلسفۂ مُعجزہ
فلسفۂ شہادت
فلسفۂ ولایت
فلسفۂ حجاب
فلسفۂ احکام
تاریخِ عاشورا
گفتارِ عاشورا
بنائے کربلا
مرگِ گُل رنگ
مکتبِ اسلام
مکتبِ رسولؐ
مکتبِ تشیّع
آخری فتح
انتظارِ امامؑ
توضیح المسائل اردو
توضیح المسائل فارسی
شریعت کے احکام
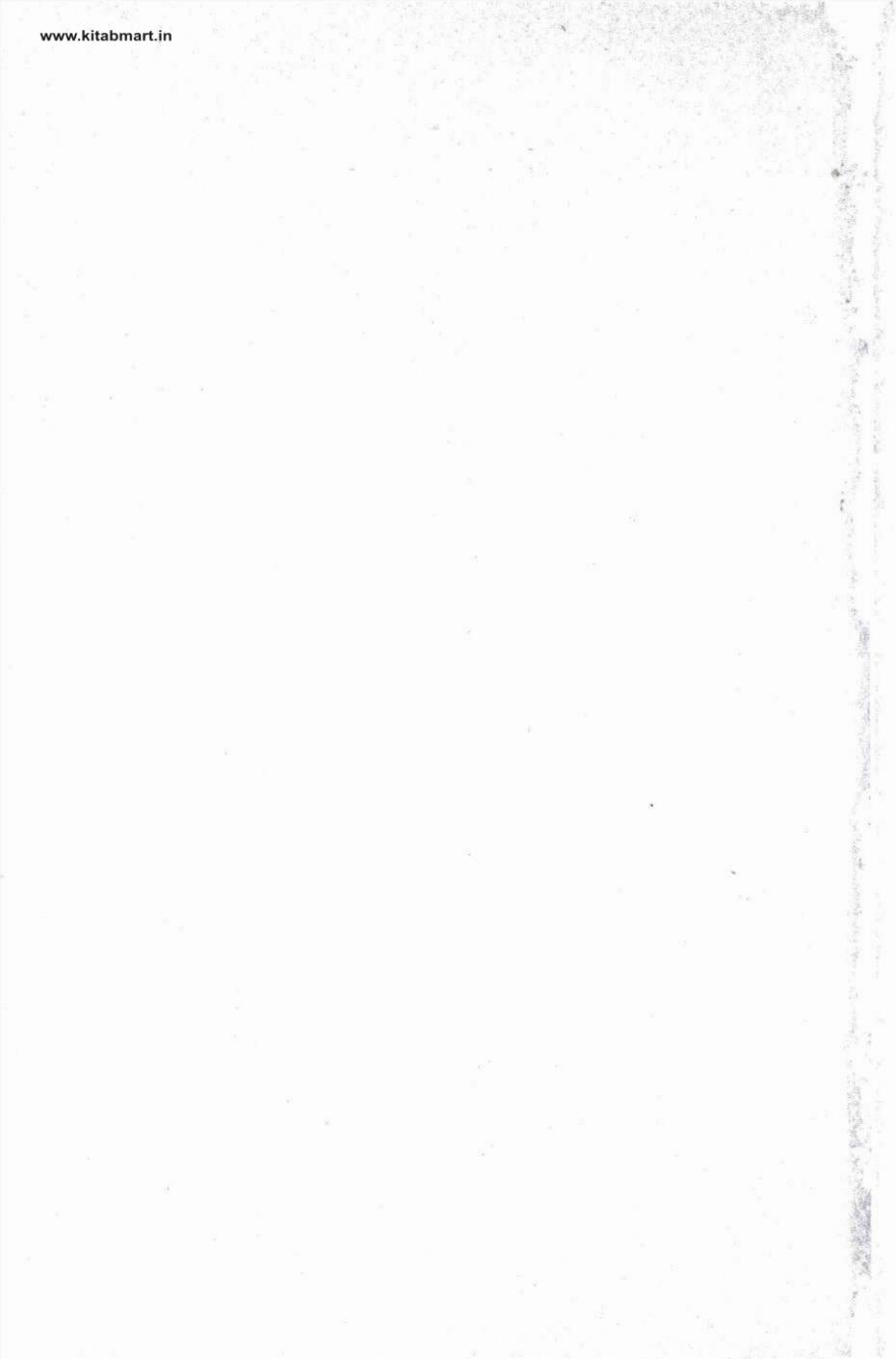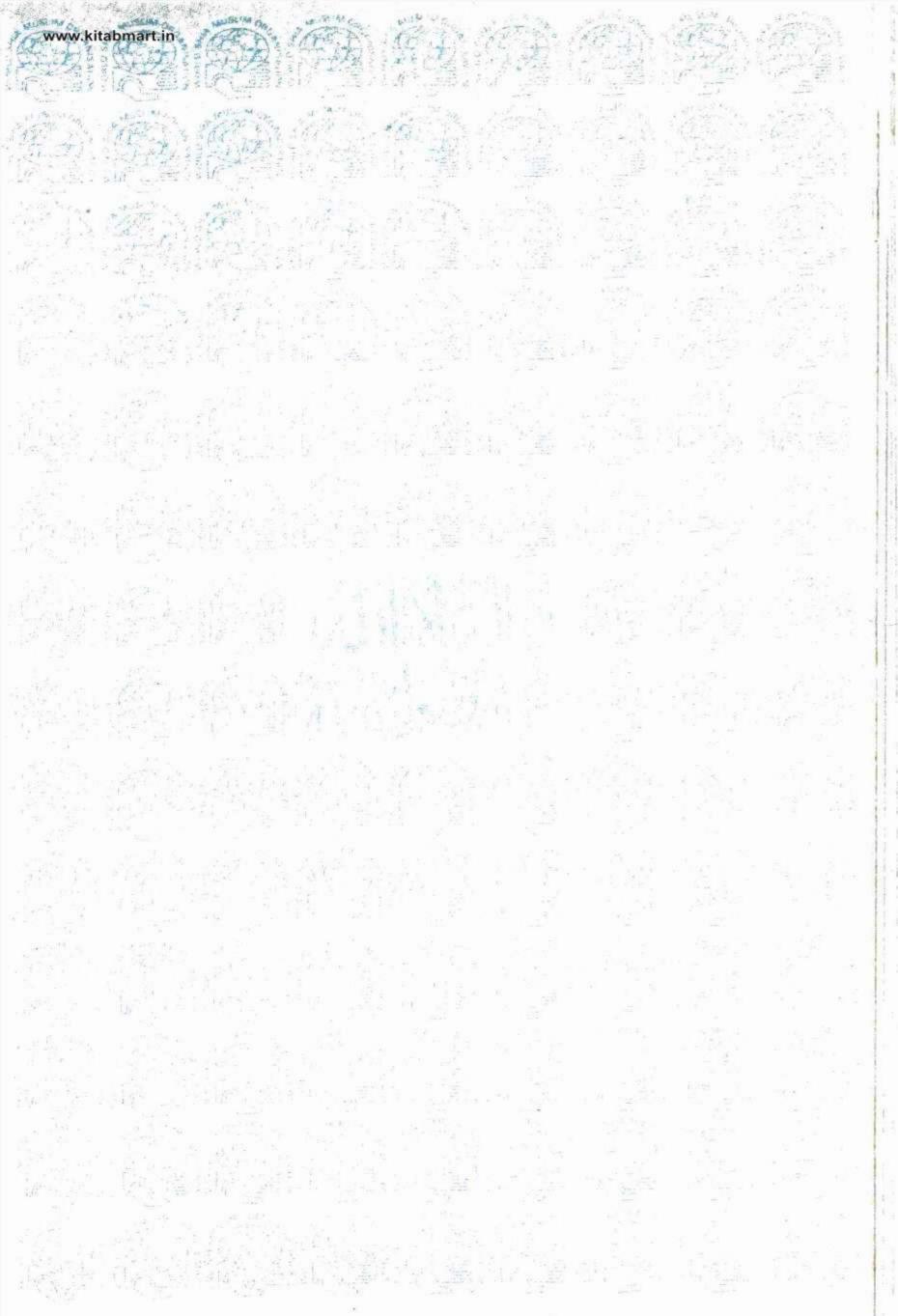
کتابُ الدعاء والزیارات
اعمالِ حج
حکایاتُ القرآن
حیاتِ انسان کے چھ مرحلے
مقالاتِ مطہری
بُت شکن
مردِ انقلاب
ہار جیت
بہلول عاقل
فُزْتُ بِرَبِّ الکعْبَۃِ
سخن
ابُوطالب۔ مظلومِ تاریخ
تفسیر سورۂ حمد
شرحِ قرآن
سِیَر و سُلوک
یَسَّرْنَا القرآن
غدیر کی برکتیں
تعلیماتِ اسلامی
پاسدارانِ اسلام
دعائے خلیل، نویدِ مسیحا
انسانِ کامل

نیز: بچّوں کے لیے دل چسپ مذہبی کہانیاں بھی دستیاب ہیں!

اردو اور انگریزی مطبوعات کی مکمل فہرست تمام بک اسٹالوں پر دستیاب ہے، طلب فرمائیں۔

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان